اگست ۲۰۰۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم اسلام کے خلاف امریکی وصہیونی سازش

دہشت گردی کے خلاف امریکی مہم دراصل عالم اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے' کیونکہ یہ بات اب سامنے آ چکی ہے کہ نائن الیون کا واقعہ مسلمانوں کے خلاف صہیونی سازش کا حصہ تھا۔ اسی طرح سیون سیون کا ڈرامہ بھی برطانوی عوام میں پیدا ہونے والے امریکہ مخالف جذبات کو مسلمانوں کے خلاف موڑنے کے لیے رچایا گیا' بلکہ اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم کفر کا اصل ٹارگٹ پاکستان ہے' کیونکہ ایسے واقعات کا کھرا ایک سازش کے تحت پاکستان تک پہنچایا جاتا ہے' حالانکہ سیون سیون کے خودکش حملوں میں ملوث افراد برطانوی شہریت کے حامل تھے۔ اصل دہشت گرد یہودی اور اُن کے پشت پناہ امریکہ اور وہ اتحادی ممالک ہیں جنہوں نے بغیر ثبوت کے پہلے افغانستان کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا اور پھر جھوٹی رپورٹوں کی بنیاد پر عراق کو خاک وخون میں نہلا دیا۔ برطانوی تھنک ٹینک اور لندن کے مئیر کا یہ کہنا بجا ہے کہ اگر دہشت گردی کے حالیہ واقعات میں بظاہر احوال کچھ مسلمان ملوث نظر آتے ہیں تو یہ دراصل افغانستان اور عراق میں مسلمانوں پر امریکہ و برطانیہ کے مظالم کا ردّعمل ہے۔

عالم کفر کے ہاتھوں عالمِ اسلام کی یہ پٹائی دراصل ہمارے اجتماعی جرائم کی سزا ہے۔ ہم نے اللہ کے ہر حکم کے آگے سر جھکانے کی بجائے امریکہ کے ہر حکم کو واجب اطاعت جانا۔ اللہ کی جزوی اطاعت کے ساتھ غیر اللہ کی اطاعت اختیار کرنے والے شخص کی قرآن کے نزدیک سزا یہ ہے کہ اللہ اسے دنیا کی زندگی میں بھی رسوا کر دیتا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب اس کا مقدر ہو گا۔ مملکتِ خداداد پاکستان میں اللہ کا دین قائم نہ کر کے ہم نے ناشکری کی جو روش گزشتہ ۵۸ سالوں سے اختیار کر رکھی ہے' اسی کا وبال ہے کہ آج ہر معاملے کا نزلہ پاکستان پر گرایا جا رہا ہے۔ ہمارا ایک بہت سنگین جرم یہ ہے کہ ہم نے پاکستان میں' جو کہ دَورِ حاضر کی مثالی اسلامی فلاحی ریاست بن سکتا تھا' اسلامی نظام قائم کرنے کی بجائے پڑوس میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں دشمنوں کی مدد کی۔

اس پر مستزاد یہ کہ سرحد حکومت نے اگر اپنے دائرۂ اختیار میں اسلام کی طرف پیش رفت کے طور پر حسبہ بل پیش کیا تو شور مچایا جا رہا ہے کہ یہ آئین سے متصادم ہے اور اس کے ذریعے متوازی عدالتی نظام قائم ہو جائے گا' حالانکہ مرکزی حکومت نے خود نیب اور دہشت گردی کی عدالتوں سمیت کئی متوازی نظام قائم کر رکھے ہیں۔ اگر صدر صاحب کو ایک صوبے میں نفاذِ شریعت کی جانب ایک ابتدائی قدم پر اعتراض ہے تو وہ ملکی سطح پر یہ نیک کام خود کریں' کیونکہ از روئے قرآن مسلمانوں کو اگر اقتدار اور تمکن عطا ہو جائے تو ان کی اوّلین ذمہ داری نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ کے قیام کے ساتھ ساتھ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایک مستحکم نظام قائم کرنا ہے —— صدر پرویز مشرف جو خود کو فخر کے ساتھ مسلمان قرار دیتے ہیں' اپنی اس اہم دینی ذمہ داری سے کیوں گریزاں ہیں —— اگر وہ محض مسلمانی کا دعویٰ کرنے کی بجائے حقیقی معنوں میں مسلمانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر اپنی مذکورہ بالا ذمہ داری ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ پوری قوم ان کا ساتھ نہ دے —— بہر صورت اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست کریں' تاکہ اللہ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو جائے اور ہم اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں' بصورت دیگر اب ہمیں امریکی دباؤ کے ساتھ ساتھ برطانوی دباؤ بھی برداشت کرنا ہوگا' جس کی شدت میں بتدریج اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

* * *

حسبہ بل منظور کرنے پر سرحد اسمبلی لائقِ مبارک باد ہے

سرحد اسمبلی میں ایم ایم اے نے حسبہ بل منظور کروا کر وہ فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو سرحد کے عوام نے اُنہیں بھاری اکثریت سے اسمبلیوں میں بھیج کر اُن پر عائد کیا تھا۔ یہ بات قابل صد تحسین ہے کہ خواہ تین سال کے انتظار کے بعد ہی سہی' لیکن بالآخر انہوں نے اپنے وعدے پر عمل کیا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی اوّلین ذمہ داری ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے نظام تشکیل دیں۔ حسبہ بل اس نظام کی تشکیل کی طرف ایک قدم ہے جسے تنظیم اسلامی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ایم ایم اے کی قیادت کو اِس اقدام پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔

قابل صد افسوس بات ہے کہ ہمارے ملک کے سیکولر طبقات اس بل کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور صدر پرویز مشرف نے بل پاس ہونے سے قبل اس معاملے کو کورٹ میں

(باقی صفحہ 80 پر)

بقیہ: عرضِ احوال

لے جا کر بدنیتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بعض دانشور بھی اس موقع پر حقیقی اسلامی اقدار اور دینی تقاضوں سے اپنی بے زاری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ اللہ کی نظر میں یہ طرزِ عمل بھی قرآن اور اسلام کی بے حرمتی کا مظہر ہے جو گوانتانا موبے میں ہونے والی قرآن کی بے حرمتی سے بڑھ کر ہے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ سیکولر عناصر اور مقتدر طبقات اس بل کی مخالفت میں ہر ممکن حربہ استعمال کریں گے اور بالآخر ایم ایم اے کی یہ کاوش ناکامی سے دوچار ہوگی۔ ایم ایم اے کی قیادت کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ ان معاملات میں اپنے طریق کار پر ازسرنو نظر ثانی کرے۔ تجربات اور قرائن بتاتے ہیں کہ درحقیقت اس طریقے سے اسلام کے غلبے اور نفاذِ شریعت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس کام کے لیے علماء کرام اور دینی عناصر کو انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر پریشر گروپ کی صورت میں منظّم ہو کر حکمرانوں پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ منکرات کا قلع قمع کریں۔ یہی وہ راستہ ہے جس کی دعوت تنظیم اسلامی تیس سال سے دے رہی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ایم ایم اے کی قیادت اپنے تین سالہ دورِ اقتدار اور حسبہ بل کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے لائحہ عمل میں بنیادی تبدیلی لائے۔ ○○

منبر و محراب

خطبۂ جمعہ کی اہمیت
اور
عربی متن کا مفہوم

از: حافظ عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطابِ جمعہ کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ دسمبر ۲۰۰۴ء اور جنوری ۲۰۰۵ء کے خطاباتِ جمعہ میں محترم امیر تنظیم نے خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور غرض و غایت بیان کرنے کے بعد خطبۂ جمعہ کے عربی متن کا اردو ترجمہ اور اس کی تشریح و وضاحت بیان کی۔ ذیل میں ان خطاباتِ جمعہ کی تلخیص شائع کی جا رہی ہے۔

خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت:

خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید اور آنحضورﷺ کے معمول کو دیکھنا چاہیے کہ خطبۂ جمعہ کا اصل مقصد کیا تھا اور اجتماعِ جمعہ کا یہ عظیم نظام کن مقاصد کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ آج ایسے مسلمان جو پنج وقتہ نماز نہ بھی پڑھتے ہوں‘ ان کی بھی ایک بڑی تعداد نہا دھو کر اور حتی الامکان صاف ستھرے کپڑے پہن کر نہایت اہتمام سے خطبۂ جمعہ کے لیے مسجد میں پہنچتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک بہت عظیم نظام کے کچھ کھنڈرات ہیں کہ جو باقی ہیں۔

قرآن مجید کے اٹھائیسویں پارے کی سورۃ الجمعہ کا شمار ان چند سورتوں میں ہوتا

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 1 (1,1)

ہے جن کے مندرجات کے ساتھ اُن کے نام کی بڑی گہری معنوی نسبت ہے۔ دو رکوعوں پر مشتمل اس سورت کے دوسرے رکوع میں تو واضح طور پر خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور اس کے آداب پر گفتگو ہے۔ پہلے رکوع کے مضمون کا بظاہر کوئی تعلق نظامِ جمعہ سے نظر نہیں آتا، لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس میں خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت ہی بیان کی گئی ہے۔اس کی دوسری آیت میں آنحضورﷺ کے اُس عملِ تربیت کا ذکر ہے جس کے ذریعے سے آپؐ نے ایک ایسی عظیم انقلابی جماعت کو تشکیل دیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے وقت کی دو بڑی طاقتوں کو قدموں تلے روند کر تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا۔

اس انقلابی عمل کے لیے قرآن مجید نے چار الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا: ﴿هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ﴾ ’’وہی ہے (اللہ) جس نے اُمّیین کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا۔ وہ ان (اپنی قوم) کے سامنے (اللہ کی) آیات تلاوت کرتے ہیں، اور اُن کا تزکیہ کرتے ہیں‘‘۔ یعنی آیاتِ الٰہی کی تلاوت کے نتیجے میں جو لوگ حق کا اعتراف کر لیں اور اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر یہ امر تسلیم کر لیں کہ کُل کائنات اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، آپؐ ان کے قلب اور نفس کو پاک کرتے ہیں۔ ازروئے قرآن تزکیہ کا اصل ذریعہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ آگے ارشاد ہوا: ﴿وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ۃ﴾ ’’اور وہ (رسول) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں‘‘۔ کتاب سے مراد اگرچہ پورا قرآن بھی ہے، لیکن درحقیقت لفظ ’’کَتَبَ‘‘ کے معنی کسی چیز کو فرض کر دینے اور لکھنے کے ہیں۔ لہٰذا لفظ کتاب کے اندر اصل اشارہ احکامِ شریعت کی طرف ہے۔ چوتھی بات یہ آئی کہ رسول صرف احکامِ شریعت ہی نہیں بتاتے بلکہ عقل و دانش کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ کوئی چیز فرض کیوں کی گئی ہے، فلاں شے حرام کیوں ہے، یہ باتیں حکمتِ دین کے ذیل میں آتی ہیں۔ اسی طرح فکری رہنمائی جسے فلسفی اور دانشور اپنا موضوع سمجھتے ہیں، وہ بھی اسی قرآن مجید میں ہے۔

مکی دَور میں آنحضورﷺ نے مسلسل تیرہ برس صرف یہی چار کام کیے ہیں۔ یہ

چار الفاظ قرآن مجید میں چار مختلف مقامات پر آئے ہیں: تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیمِ کتاب' تعلیمِ حکمت۔ ذرا غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ یہ چاروں کام قرآن کی تعلیم ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے احکاماتِ شریعت بھی ہیں' آیات کے ذریعے انسان کی باطنی بیماریوں کا علاج بھی موجود ہے' اور پھر حکمت کی اعلیٰ ترین سطح بھی قرآن ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ سارا کام قرآن کے گرد ہی گھوم رہا ہے۔ قرآن ہی کی بدولت عرب قوم کی سوچ' اس کے نقطۂ نظر' اندازِ فکر' اخلاق و کردار اور سیرت غرض ہر شے میں تبدیلی آئی' جو ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ بنی۔ اس انقلاب کے اثرات کو باقی رکھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ رشتہ مضبوط رہے۔ چنانچہ جمعہ کا نظام اصل میں اسی تعلیم قرآن پر مبنی ہے۔

سورۃ الجمعہ کی پانچویں آیت میں بنی اسرائیل کے حوالے سے فرمایا گیا کہ:
﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا﴾ ''مثال اُس قوم کی جس پر لادی گئی تھی تورات' پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا''۔ یعنی کتاب کے ضمن میں عائد ہونے والی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے جو کتاب (تورات) دی تھی اس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی' لیکن اُس قوم نے اِس نعمت کی قدر نہیں کی اور کتاب کے ساتھ اپنے رشتے کو کمزور کر لیا۔ چنانچہ اب اللہ کی نگاہ میں ان کی کیا حیثیت ہے' اس کے بارے میں آگے فرمایا گیا: ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ﴾ ''ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ (اپنی پیٹھ پر) اٹھائے ہوئے ہو''۔ غور کیجیے کہ عظیم ترین نعمت کی ناقدری کرنے پر اللہ کی نگاہ میں یہ مقام رہ جاتا ہے! اسی لیے قرآن حکیم کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو برقرار رکھنے اور اس کی ہدایت سے مسلسل فائدہ اٹھانے کے لیے جمعہ کا نظام ترتیب دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے خطبۂ جمعہ کی کیفیت احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ((كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ)) ''نبی ﷺ جب خطبہ ارشاد

فرماتے تھے تو اس کے دو حصے ہوتے تھے''۔ (یہاں خطبے سے مراد خطبۂ جمعہ ہے)۔ ''دونوں کے درمیان آپؐ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے تھے''۔ یہ اس خطبہ کی ظاہری ہیئت تھی۔ اس میں کیا کہا جاتا تھا' اس کے بارے میں آگے بیان ہے۔ ''آپؐ قرآن کی آیات پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر اور نصیحت فرماتے تھے''۔ یہ ہے خطبۂ جمعہ کی غرض وغایت' جس کا ایک معنوی تعلق آنحضور ﷺ کے اس عمل کے ساتھ بنتا ہے جو سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں مذکور ہے۔ یہ کام حضور اکرم ﷺ پر آ کر ختم نہیں ہو گیا بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جب تک کُل کرۂ ارضی پر اللہ کا دین قائم اور غالب نہیں ہو جاتا یہ مشن ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔

بنیادی طور پر نبی کریم ﷺ کو جو مشن دیا گیا تھا' وہ انقلابی تھا۔ اس کا ذکر سورۃ التوبۃ کی آیت ۳۳' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں موجود ہے' جن کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دو چیزیں دے کر بھیجا: ایک الہدیٰ' یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلنے والے آسمانی ہدایت کے سلسلے کا فائنل اور کامل ایڈیشن' دوسرے دین الحق' یعنی نظامِ عدلِ اجتماعی۔ یہ دو چیزیں دے کر رسول اللہ ﷺ کو اس لیے بھیجا گیا تاکہ وہ اللہ کے اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیں۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اس مشن کو آنحضور ﷺ نے بنفس نفیس مکمل فرما دیا تھا' تاہم اس آیت کی تکمیل کما حقہٗ اُس وقت ہو گی جب پورے کرۂ ارضی پر یہ نظام نافذ ہو گا۔ ایک باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر دین حق کو قائم کرنے کے لیے انقلابی افراد درکار تھے۔ ایسے لوگ تیار کرنے کے لیے پہلے اُن کے اندر کی دنیا کو بدلا گیا۔ آنحضور ﷺ نے یہ عمل چار افعال کے ذریعے انجام دیا' جن کا ذکر سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کیں' اپنے ساتھیوں کا تزکیہ کیا' انہیں احکامِ شریعت بتائے اور حکمت و دانش کی تعلیم دی۔ افراد کی یہ قلب ماہیت عالمی اور ظاہری انقلاب کا پیش خیمہ بنی۔ مسلمانوں کا انقلابی لٹریچر قرآن مجید ہے' اس لیے کہ یہ چاروں چیزیں قرآن ہی کے گرد گھوم رہی

ہیں۔ تزکیہ اور باطنی بیماریوں کے علاج کا اصل ذریعہ قرآن ہے‘ اسی طرح احکامِ شریعت کا سب سے بڑا منبع بھی یقینی طور پر قرآن مجید ہے‘ جبکہ عقل و دانش کے حوالے سے یہ الحکیم کا کلام ہے‘ چنانچہ اس سے زیادہ پُر حکمت اور کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

اِس انقلابی لٹریچر سے مسلسل استفادہ کرتے رہنے اور ایمانی جذبہ کو تروتازہ رکھنے کے لیے قیامت تک کے لیے جمعہ کا نظام تجویز کر دیا گیا۔ یومُ الجمعہ کی کچھ ساعات کا بھی تعین کر دیا گیا کہ جب نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف لپکو اور ہر قسم کا کاروبار چھوڑ دو۔ ان اوقات کے اختتام کے حوالے سے بھی بتا دیا گیا کہ جب نماز مکمل ہو جائے تو اس کے بعد منتشر ہو سکتے ہو۔ سابقہ اُمت کے مقابلے میں اِس اُمت کے لیے یہ خصوصی رعایت ہے کہ وہاں ’’سبت‘‘ کا پورا دن کاروبار کو حرام کرتے ہوئے اللہ کی یاد کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ تاہم فضیلت اسی میں ہے کہ مسلمان جمعہ کا پورا دن اللہ کی یاد اور اس کی کتاب کا علم حاصل کرنے کے لیے فارغ رکھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ متفق علیہ حدیث کے مطابق جو شخص جمعہ کے روز اچھی طرح نہا دھو کر نمازِ جمعہ کے لیے پہلی ساعت میں پہنچتا ہے اس کے لیے ایک اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ثواب ہے۔ دوسری ساعت میں پہنچنے والے کو گائے صدقہ کرنے‘ تیسری ساعت میں پہنچنے والے کو ایک مینڈھا صدقہ کرنے‘ چوتھی ساعت میں پہنچنے والے کو ایک مرغی صدقہ کرنے‘ جبکہ پانچویں ساعت میں پہنچنے والے کو ایک انڈا صدقہ کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ جب امام خطبے کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر لپیٹ دیتے ہیں اور وہ بھی ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ گویا جب خطبۂ جمعہ شروع ہو جائے تو پھر یہ فضیلت ختم ہو گئی‘ اب محض نماز میں شرکت شمار ہو گی۔

خطبۂ جمعہ اور نظامِ جمعہ کی اہمیت کے حوالے سے ایک دو باتیں اور عرض کر دوں۔ احادیث میں ایک تو اس امر کی تاکید ہے کہ مسلمان اجتماعِ جمعہ کے لیے بڑے اہتمام سے مسواک کر کے‘ نہا دھو کر‘ صاف ستھرے کپڑے پہن کر‘ خوشبو لگا کر آئیں‘ تاکہ ایک عمدہ ماحول قائم ہو جس میں آدمی پوری یکسوئی کے ساتھ سیکھنے کی طرف متوجہ ہو۔ خطبۂ

E:\Me-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 3 (1,1)

جمعہ سننے کی اہمیت کا اندازہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتا ہے‘ جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اگر تم نے خطبے کے دوران اپنے ساتھی سے یہ کہا کہ خاموش رہو تو تم نے بھی لغو حرکت کی۔ اس بیان کی جامعیت دیکھئے کہ چند الفاظ میں کتنی عمدگی سے خطبۂ جمعہ کی اہمیت کو سمو دیا گیا۔ گفتگو سے کسی دوسرے کو روکنا بھی اگر لغو حرکت ہے تو خود بات کرنا اور خطبے کے اندر خلل ڈالنا کتنی قابل مذمت شے ہوئی‘ اس کا اندازہ خود کر لیجیے!

خطبۂ جمعہ درحقیقت تعلیم قرآن کا پروگرام ہے۔ قرآن کو بیان کرتے ہوئے ہمیں نبی کریم ﷺ کے فرمودات کے ذریعے ہی سے اس کو سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ خطبہ قرآن و حدیث کا مجموعہ ہونا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ ؒ نے اس سلسلے میں کام کیا اور بہت عمدگی سے اِن چیزوں کو معین فرمایا ہے جو ایک جامع خطبے میں شامل ہونی چاہئیں۔ سب سے پہلے تو اللہ کی حمد و ثنا خطبہ کا لازمی حصہ ہے۔ پھر شہادتین کا تذکرہ ہونا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ آنحضور ﷺ پر درود اِس کا لازمی حصہ ہو۔ چوتھی بات یہ فرمائی کہ چونکہ قرآن مجید میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم بار بار آیا ہے اس لیے خطبے میں بھی اس کا ذکر ضرور ہونا چاہیے۔ پانچویں بات یہ کہ کچھ آیاتِ قرآنی کی تلاوت اس میں ضرور ہونی چاہیے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے جو خطبات مرتب کیے‘ ان میں انہوں نے سورۃ المؤمن کی آیت ۶۰ منتخب کی‘ چنانچہ خطیب حضرات عام طور پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کا کوئی ایک معین خطبہ نہیں ہوتا تھا‘ تاہم خطبہ کے ابتدائی الفاظ کم و بیش ایک جیسے ہوتے جن میں اللہ کی حمد و ثنا اور استغفار کا ذکر ہوتا۔ اس کے بعد قرآن کے مختلف مقامات سے آیات تلاوت کی جاتیں اور ان کے حوالے سے تذکیر اور نصیحت ہوتی۔ ہمارے ہاں چونکہ عام آدمی کو عربی سمجھ میں نہیں آتی‘ لہٰذا قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاصہ پر مبنی مختلف خطبات مرتب کیے گئے۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے خطبات نہایت جامع ہیں‘ جو پورے برصغیر میں عام ہوئے۔

آنحضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خطیب دو خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر

کے لیے بیٹھتا ہے۔ پہلے اور دوسرے خطبے میں کیا کہا جاتا ہے‘ اس میں کوئی خاص تخصیص نہیں ہے۔ دونوں کا مقصد وعظ‘ تذکیر‘ یاددہانی اور تعلیم ہے۔ یہاں خطبۂ جمعہ کے عربی متن کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرنے کی حقیر سی کوشش کی جارہی ہے‘ تاکہ اس کے مطالعے کے بعد خطبۂ جمعہ سنتے ہوئے اس کے معانی و مطالب ہمارے ذہنوں میں مستحضر رہیں۔

خطبۂ اوّل: خطبۂ جمعہ کا پہلا حصہ

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ......اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ: ’’کُل حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے‘ کُل تعریف اور شکر و سپاس اللہ کے لیے ہے۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں‘ اور اس سے مدد چاہتے ہیں‘ اور اس سے بخشش و مغفرت طلب کرتے ہیں‘ اور اس پر ایمان لاتے ہیں‘ اور اس پر توکل کرتے ہیں‘‘۔

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ: ’’کُل حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے۔ کل تعریف اور شکر و سپاس اللہ کے لیے ہے‘‘۔ آج بظاہر تو یہ بات بڑی آسانی سے کہہ دی جاتی ہے‘ لیکن شاید اس کی ہمہ گیریت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر خیر اور خوبی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ اپنے طور پر نہ سورج کے اندر کچھ اثر ہے‘ نہ چاند اور ستاروں میں۔

آنحضورﷺ نے فرمایا کہ دو کلمات ایسے ہیں جو ربّ کو پہچاننے اور جاننے کے حوالے سے بہت جامع ہیں‘ ایک سبحان اللہ اور دوسرا الحمد للہ۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ((اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَؤُہٗ)) یعنی سبحان اللہ سے (معرفتِ ربّ کی) میزان نصف ہو جاتی ہے‘ جبکہ الحمد للہ سے یہ بھر جاتی ہے۔ (مسند احمد)

سبحان اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ ہر کمی‘ عیب‘ نقص اور کوتاہی سے پاک ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی نیک اور صالح کیوں نہ ہو‘ اس کی ذات میں کسی نہ کسی اعتبار سے کوئی کمی ضرور ہوگی۔ صرف ایک ذات کامل ہے۔ یہ معرفتِ ربّ کا پہلا حصہ ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ اس کائنات کے حسن اور کمال کا سرچشمہ وہی ایک ذات ہے۔ اصل شکر اُسی کا

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 4 (1,1)

واجب ہے۔ قرآن مجید میں جہاں انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ﴾ (لقمٰن:۱۴) ''شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا''۔ اس لیے کہ والدین کے دل میں رحمت اور شفقت ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے!

☆نَحْمَدُہٗ: ''ہم اسی کا شکر ادا کرتے ہیں''۔ روزمرہ کے معمولات میں اس شکر کے ادا کرنے کے طریقے ہمیں نبی اکرمﷺ نے بتائے ہیں کہ کھانا کھاؤ تو اللہ کا شکر ادا کرو (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔ سو کر اٹھے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ)۔ بیت الخلاء سے نکلے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ)۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو جب بھی خیر اور بھلائی پہنچے' اس کی زبان سے اللہ کے لیے کلماتِ تشکر جاری ہو جانے چاہئیں۔

☆وَنَسْتَعِیْنُہٗ: ''اور ہم اُسی سے مدد چاہتے ہیں''۔ ہم اللہ ہی سے اعانت طلب کرتے ہیں۔ جب اللہ کی یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ حقیقی رازق' مالک' مشکل کشا اور حاجت روا وہی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ مانگنا ہے تو صرف اسی سے! چنانچہ خطبۂ مسنونہ میں یہ لفظ ''وَنَسْتَعِیْنُہٗ'' شامل ہے۔ یعنی ہم ہر مشکل میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو شے بھی مانگنی ہو اُس کے لیے اللہ ہی کی طرف دست سوال دراز کرتے ہیں۔

☆وَنَسْتَغْفِرُہٗ: ''اور اس سے بخشش و مغفرت طلب کرتے ہیں''۔ اگر کوئی غلطی اور کوتاہی ہو جائے' کوئی گناہ سرزد ہو جائے' صراطِ مستقیم سے پاؤں ڈگمگا جائیں تو معافی کے لیے بھی اللہ ہی کی جناب میں رجوع کرتے ہیں۔ بندۂ مؤمن کی زندگی کا یہ ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے' جسے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۵ میں اس انداز سے بیان کیا گیا کہ: ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ص وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ قف﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کوئی کھلا

گناہ یا بُرا کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوائے اللہ کے؟'' گناہوں کو بخشنے کا اختیار کسی پوپ' پادری یا پیر کے پاس نہیں ہے۔ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ ہی رکھتا ہے کہ کس کو معاف کرنا ہے اور کس کو نہیں۔ ہم استغفار کے لیے صرف دعا کر سکتے ہیں۔

اسی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ کسی شخص پر حقیقت منکشف ہونے اور صراطِ مستقیم اختیار کرنے کے فیصلے کے بعد اُس سے کوئی کوتاہی اور خطا سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنے کی صورت میں ایسے شخص کی استغفار ضرور قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۷ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ﴾ ''اُن لوگوں کی توبہ قبول کرنا اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جن سے نادانی میں کسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے تو پھر وہ توبہ کرتے ہیں جلد ہی''۔ فوری اور سچی توبہ کی شرائط یہ ہیں کہ دل میں پشیمانی کے ساتھ اللہ کے دربار میں استغفار کی جائے' یہ عزمِ مصمم ہو کہ آئندہ یہ کام نہیں ہوگا اور انسان اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش بھی کرے۔ سورۃ الفرقان کی آیت ۷۰ میں ارشاد ہوا کہ: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ﴾ ''مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کچھ نیک کام کیا' تو اللہ اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا''۔

☆ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ: ''اور ہم اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُسی پر ہمارا توکل ہے''۔ ایمان کا اصل حاصل یہی ہے کہ اللہ پر یقین کامل اور توکل ہو۔ توکل کا مطلب یہ ہے کہ جب اسباب کے سارے راستے بند نظر آئیں تب بھی یہ یقین ہو کہ اللہ راستہ نکال سکتا ہے۔ قومی سطح پر آج ہم اس وصف سے محروم ہیں۔ اللہ پر توکل کے حوالے سے قرآن مجید اور آنحضور ﷺ کی سیرت میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

☆ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا: ''اور ہم اللہ سے پناہ طلب کرتے ہیں اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنی بداعمالیوں سے''۔ یہ بڑی عجیب بات

E:\Me-2005\Meesaq_Pdf_2005\meesaq august05\me khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 5 (1,1)

ہے! عام طور پر تو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل کی آیت ۹۸ میں فرمایا گیا: ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾ ''جب تم قرآن پڑھنے لگو تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ شیطان مردود سے''۔ اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰۰ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ﴾ ''اور کبھی تمہیں شیطان کی چھیڑ اُبھارے تو اللہ سے پناہ طلب کرو''۔ اس کی سب سے عام شکل انسان کا مشتعل ہو جانا ہے۔ یہ بھی ایک شیطانی حملہ ہے' جس سے فوراً اللہ کی پناہ میں آ جانا چاہیے ___ لیکن یہاں خطبے میں اس سے آگے بڑھ کر یہ دعا کی جا رہی ہے کہ پروردگار! تُو ہمیں ہمارے اپنے ہی نفس کی شرارتوں سے محفوظ فرما۔ درحقیقت اس نفس کے اندر بھی برائی کے محرکات موجود ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ: ﴿وَمَاۤ اُبَرِّیٴُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ﴾ ''اور مَیں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا' یہ نفس تو برائی سکھاتا ہے مگر جو رحم کیا میرے ربّ نے''۔

انسان کے نفس کے اندر سرکشی ہے اور یہ حدود اللہ کو پھلانگنے کا رجحان رکھتا ہے۔ شیطان اسی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کا اصل کردار یہی ہے کہ غصہ' انتقام اور شہوت کے حوالے سے انسانی کمزوریوں کو بھڑکائے اور وسوسہ اندازی کرے۔ سورۃ الاعراف میں یہود کی تاریخ کے ایک بہت بڑے ولی اللہ بلعم بن باعوراء کا ذکر ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے روحانی اعتبار سے بہت اونچا مقام عطا کیا تھا' لیکن پھر اس پر زوال آیا اور سب کچھ چھن گیا۔ اس ضمن میں آیت ۱۷۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا فَاَتۡبَعَہُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ﴾ ''اور انہیں پڑھ کر سنایئے اُس شخص کے احوال کہ جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں' تو وہ خود اُن سے نکل بھاگا' پھر شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا' تو وہ ہوا گمراہوں میں''۔ یعنی نفس کی اکساہٹ کی وجہ سے وہ خود پٹڑی سے اتر گیا۔ چنانچہ جب انسان کے اندر معاملات بگڑتے ہیں تب شیطان فائدہ اٹھاتا ہے۔

☆مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ : ''جس کسی کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے تو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جسے وہ گمراہ کر دے تو کوئی نہیں کہ جو اُسے راہِ ہدایت پر لا سکے''۔ یہ بھی قرآن مجید کے حوالے سے ایک بہت اہم اصول ہے جو ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔ ہدایت کا اصل اختیار بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر ایک شخص ہدایت کا طالب ہی نہیں تو وہ زبردستی اس کو ہدایت پر نہیں لاتا۔ چنانچہ ہمیں تلقین کی گئی ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں صراطِ مستقیم کی دعا کرتے رہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵﴾. یہ نہ سمجھیں کہ اگر ہدایت مل گئی ہے تو اب ہمیں اس راستے سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ پر برقرار رکھ سکتا ہے۔

ہدایت اور ضلالت کے قانون کی ایک شق سورۃ الحج کی آیت ۱۶ میں بیان کی گئی کہ: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝۱۶﴾ ''اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے''۔ اسی حوالے سے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کے آخر میں ارشاد ہوا: ﴿وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾ ''اور (اللہ تعالیٰ) ہدایت دیتا ہے اُس کو جو اُس کی طرف متوجہ ہو''۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی کتاب' اس کے رسولؐ اور اس کے دین کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ نہیں کہ اس سے تو پیٹھ پھیرے رہیں اور پھر کہیں کہ اللہ نے ہمیں ہدایت ہی نہیں دی۔ جیسے حقیقی رازق اللہ کی ذات ہے' لیکن ہم ہاتھ توڑ کے نہیں بیٹھ رہتے' بلکہ جو ملتا ہے اُس سے مزید آگے کے لیے دن رات کوشاں رہتے ہیں' اسی طرح اگرچہ ہدایت دینے کا آخری اختیار اللہ کے پاس ہے لیکن ہمیں صراطِ مستقیم کا طالب بننا چاہیے اور اللہ کا دامن تھام کر اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ جو شخص خود جاگ رہا ہو اور بظاہر سوتا بن جائے' اسے جگانا ممکن نہیں ہے۔ ایسے لوگ جن تک قرآن کی بات پہنچ چکی ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے ذاتی مفادات یا کسی اور وجہ سے حق کو قبول نہ کریں' ان کی ضلالت پر اللہ تعالیٰ مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے اور پھر کوئی طاقت انہیں راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتی۔ یہی اللہ کا قانون ہے!

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 6 (1,1)

اس کے بعد خطبہ میں الفاظ ہیں:

☆ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ''اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں''۔ یہ توحیدی کلمہ ہے' جس کے ذریعے اس امر کی گواہی دی جارہی ہے کہ اس کائنات میں کوئی قوت نہیں ہے' کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے' کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے سوائے ایک ذات کے۔ وہ تنہا ہے۔ خدائی اور الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یہی بات سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں ان الفاظ میں آئی ہے: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ''پس جس نے انکار کیا طاغوت کا اور ایمان لایا اللہ پر' تو اس نے مضبوط کنڈے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں''۔ یہاں بھی پہلے اس بات کا مکمل انکار ہے کہ غیر اللہ کے پاس کوئی اختیار اور قدرت ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار ہے بھی تو وہ جزوی اور اللہ کا عطا کردہ ہے' جسے اللہ جب چاہے سلب کر لے۔ کوئی شخص جو بھی عمل کرتا ہے' اس کی منظوری اللہ کی طرف سے آتی ہے تو وہ عمل سرزد ہوتا ہے' ورنہ ہو ہی نہیں سکتا۔

توحید دینِ ابراہیمی کا طغرائے امتیاز ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور امام الناس قرار دیا۔ وہ عقیدے اور عمل دونوں پہلوؤں سے توحید کے امتحان میں پورے اترے۔ توحید کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا اقرار کیا جائے' ورنہ کائنات کے خالق کے طور پر تو مشرکین عرب بھی اللہ کو مانتے تھے' لیکن انہوں نے کچھ اور ہستیوں کو چھوٹے معبودوں کا درجہ دے کر اللہ کے اختیار میں شریک کر رکھا تھا۔

اسی حوالے سے بعض خطبات میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ وَحِّدُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ. یعنی اللہ کی توحید کے معاملے میں پوری کوشش کرو کہ کہیں اس کے اندر شرک کی آلائش نہ آجائے' کیونکہ شریعت میں تمام دینی احکامات کی جڑ بنیاد توحید ہی ہے۔ یہی نہ رہی تو ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق کیا رہ گیا! لیکن

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی صفوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو دینِ توحید میں دراڑیں ڈالتے اور اسے مشرکانہ تصورات سے آلودہ کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ ''اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتی ہے''۔ لہٰذا اسلام دینِ توحید ہے!

☆ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰـنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ: ''اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمدﷺ اُس (اللہ) کے بندے اور اُس (اللہ) کے رسول ہیں''۔ یہاں عبد اور معبود کا فرق واضح کر دیا گیا کہ حضرت محمدﷺ کو بھی ہم اللہ کا ایک بندہ مانتے ہیں‘ لیکن وہ عبدِ کامل ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؏ ''عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر!'' اس گواہی میں رسالت کا ذکر بعد میں ہے جبکہ آنحضورﷺ کی نسبت عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ معبود تو بس وہی ایک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے‘ باقی سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص بندے یعنی حضرت محمدﷺ کو ایک خصوصی امتیاز یوں بخشا کہ انہیں منصب رسالت کے لیے یعنی اپنا پیغام نوعِ انسانی تک پہنچانے کے لیے چن لیا۔

جو شخص بھی مذکورہ بالا دونوں گواہیوں کو تسلیم کر لے گا‘ وہ اللہ کی نگاہ میں صاحب ایمان ہے۔ ان دونوں کے حوالے سے عملی تقاضوں کو سمجھنا بھی ضروری ہے! زبان سے گواہی دینا اپنی جگہ لازم ہے اور اس کی اہمیت بھی ہے‘ لیکن اس گواہی کی توثیق عمل سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر اللہ کو معبود اور حاکم مانا ہے تو غلام ہونے کے ناطے ہم پر اُس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ اور جب اللہ نے حضرت محمدﷺ کو اپنا نمائندہ قرار دے دیا اور یہ فرما دیا کہ میری اطاعت ان کے واسطے سے ہوگی تو آنحضورﷺ کا ہر فرمان واجب الاطاعت ہے۔ اسی کو قرآن بار بار کہتا ہے کہ اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ ہر معاملے میں ان کے حکم کے آگے سر جھک جائے۔ یہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے! اسی طرح ریاست کی سطح پر کلمۂ طیبہ کا تقاضا

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ma khutba-e-juma.inp 8/22/2014 3:17 PM PAGE 7 (1,1)

یہ ہوگا کہ وہاں قرآن وسنت کی فیصلہ کن بالادستی کو ہر سطح پر قبول کیا جائے۔

اب خطبہ کا اگلا حصہ آ رہا ہے۔ یہ الفاظ بھی آنحضورﷺ ہی کے خطبات سے ماخوذ ہیں۔

☆اَمَّا بَعۡدُ: ''اس کے بعد......'' یعنی ایک بات مکمل ہوئی' اب دوسری بات شروع ہو رہی ہے۔ عربی زبان میں یہ خطبہ کا اسلوب ہے اور خطاب کا ایک مستعمل انداز۔

☆فَاِنَّ خَیۡرَ الۡحَدِیۡثِ کِتَابُ اللّٰہِ: ''یقیناً بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے''۔ حدیث کے معنی بات' گفتگو' کلام کے ہیں۔ اس مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾﴾ ''سو اِس بات (قرآن) کے بعد یہ کس چیز پر ایمان لائیں گے!'' کیا اب بھی ان پر حق واضح نہیں ہوا؟ اور کون سی شے ہے جو ان پر کارگر ہوگی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کلاموں میں سب سے اعلیٰ کلام اللہ کا ہے۔

☆وَخَیۡرَ الۡھَدۡیِ ھَدۡیُ مُحَمَّدٍ ﷺ: ''اور بہترین راستہ حضرت محمدﷺ کا راستہ ہے''۔ یہ لفظ ہدیہ یا تحفہ کے معنی میں بھی آتا ہے' لیکن یہاں اس سے مراد راستہ' طریقہ اور رہنمائی ہے۔ آنحضورﷺ نے اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے کلامِ الٰہی کی جو عملی شکل واضح کی' اس اُمت کے لیے وہی بہترین طریقہ اور راستہ ہے۔

☆ وَشَرَّ الۡاُمُوۡرِ مُحۡدَثَاتُھَا' وَکُلَّ مُحۡدَثَۃٍ بِدۡعَۃٌ: ''اور بدترین معاملات وہ ہیں جو (دین میں) نئی باتیں بنالی گئی ہیں' اور ہر نئی بات بدعت ہے''۔ یہ بہت اہم اور حساس نوعیت کی بحث ہے۔ مُحۡدَث کا لفظ بھی حدیث سے بنا ہے۔ حدیث سے مراد زبان سے نکالی گئی کوئی بات یا نیا کلمہ ہے۔ حادثہ یا کسی واقعے کا اچانک رونما ہونا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ دین میں جو نئی باتیں نکالی جائیں' وہ تمام معاملات میں سب سے زیادہ شر انگیز ہیں۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۷ میں رہبانیت کے بارے میں اِبۡتَدَعُوۡھَا کا لفظ آیا ہے جو دراصل بدعت ہی سے فعل ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: ﴿وَرَھۡبَانِیَّۃَ ۨابۡتَدَعُوۡھَا مَا کَتَبۡنٰھَا عَلَیۡھِمۡ﴾ ''اور دنیا کا ترک کرنا' جو انہوں

(نصاریٰ) نے نئی بات نکالی تھی' ہم نے ان پر یہ (انجیل میں) نہیں لکھا تھا''۔عیسائیت میں رہبانیت ایک بدعت ہے' جسے ازخود اختیار کر کے دین کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔

☆ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ' وَ کُلَّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ :''اور ہر بدعت گمراہی ہے' اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانی والی) ہے''۔اس حوالے سے قرآن مجید اور احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ اُمتوں میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو بدعات کی بھرمار ہو جاتی ہے۔سب سے مشکل مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ لوگ ان کاموں کو چونکہ حصولِ ثواب کا ذریعہ سمجھ رہے ہوتے ہیں' لہٰذا ان سے بچنے کا کوئی خیال ان کے ذہن میں آتا ہی نہیں۔ پھر ان بدعتوں کو تحفظ دینے والے بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ علماء یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے یہ الفاظ خطبۂ جمعہ میں شامل کیے۔ واضح رہنا چاہیے کہ اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے واسطے سے دی اور جس پر رسول ﷺ نے عمل کر کے اُمت کو دکھا دیا۔اس سے آگے اگر کوئی خود قدم بڑھانا چاہے اور دین میں نئے نئے اضافے کرنا چاہے تو وہ کوئی خیر کا کام نہیں کر رہا۔

جب بدعات آتی ہیں تو دین کا حلیہ کیوں بگڑ جاتا ہے' اس کی وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے کچھ نہ کچھ ایسے ساتھی' حواری اور اصحاب نہ ہوں جو اُس رسول کی سنت کو مضبوطی سے تھامتے اور اس کے ہر حکم کی اقتدا کرتے تھے''۔قرآن و حدیث کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے سب سے مستند لوگ رسول کے قریبی ساتھی ہوتے ہیں۔ انہوں نے رسول کی سنت کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔اگر ان کے عمل میں کہیں کوتاہی ہوتی تو رسول ان کی اصلاح فرماتے تھے۔لہٰذا اس بات کا فیصلہ کہ کوئی بات دین کا حصہ ہے یا نہیں' ہم اپنی عقل سے نہیں کر سکتے۔اس کے لیے ہمیں آنحضور ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے دلیل لانی پڑے گی۔

حدیث مبارکہ کے اگلے حصے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا:''پھر ایسا ہوتا رہا کہ ہر

نبی کے کچھ عرصہ بعد کچھ ناخلف لوگ آ جاتے تھے۔ یہ جو کچھ کہتے تھے اس کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے''۔ نااہل لوگ دینی اور روحانی پیشوا بن جاتے۔ ایسے لوگ کلمۂ شہادت کو زبان سے تو ادا کرتے ہیں لیکن اس کا لازمی عملی تقاضا ان کی زندگیوں میں کہیں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ پوری زندگی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے کے بجائے اپنی مرضی سے اور زمانے کے چلن اور رواجات کے مطابق گزاری جا رہی ہے۔ دین کو تقسیم کر کے کسی نے اس کو مسجد تک محدود کر دیا اور کسی نے محض خدمتِ خلق کو اصل کام قرار دے دیا۔ آج اُمت قول و فعل کے اسی تضاد میں مبتلا ہے۔ دوسری بات آنحضورﷺ نے فرمائی: ''اور وہ کچھ کرتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں ہوا''۔ چنانچہ نئی نئی چیزیں ایجاد کر کے اُن کو دین کا حصہ بنا دیا گیا۔

اس کے بعد کے الفاظ یہ ہیں کہ: ((فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''جو ایسے لوگوں سے قوت کے ساتھ جہاد کرے وہ مؤمن ہے''۔ یہ طبقہ اگر حکمرانوں کا ہو تو اُن کے خلاف جہاد کے لیے یہ حدیث بنیاد ہے۔ تاہم مسلمان حکمران کے خلاف خروج کی کچھ شرائط بھی ہیں' جو ایک الگ موضوع ہے۔ ((وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''اور جو اپنی زبان سے ان لوگوں کے خلاف جہاد کرے وہ مؤمن ہے''۔ ((وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''اور جو اپنے دل سے ان کے خلاف جہاد کرے وہ مؤمن ہے''۔ یعنی جو دل سے اُن چیزوں کو برا جانے اور ان کے خلاف ایک شدید گھٹن محسوس کرے وہ بھی مؤمن ہے۔ ((وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) ''اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے''۔ یعنی دل میں کڑھن محسوس کرنا ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہﷺ کی سنت کو چھوڑ کر اگر دین میں نئی چیزیں نکالی جائیں گی تو وہ شکل و صورت میں چاہے عبادات محسوس ہوتی ہوں' حقیقت میں دینی اعتبار سے انتہائی مہلک ہیں۔

یہ درحقیقت ایک مسلمان اُمت کے زوال کی علامتیں ہیں' جن کا ایک نفسیاتی سبب بھی ہے کہ جب ہم اپنی ایمانی اور عملی کمزوری کے باعث پورے دین پر عمل نہیں کر

رہے ہوتے اور اس کے بہت سارے گوشے اپنی عملی زندگی سے خارج کر دیتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے دل کی تسلی کے لیے دینی انداز کی کچھ ایسی چیزیں درکار ہوتی ہیں جن کی ظاہری شکل وصورت عبادات کی طرح ہو۔ اس نفسیاتی ضرورت کی وجہ سے بدعات کو فروغ ملتا ہے اور یہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں' لیکن ان کی وجہ سے دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ بات جس نے بھی کہی' حق کہی ہے کہ جب کوئی بدعت آئے گی تو کوئی نہ کوئی سنت رخصت ہوگی۔ بدعات کا معاملہ عقائد میں بھی ہے اور عبادات ورسومات کے اندر بھی!

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں ایجاد ہونے والی روز مرہ استعمال کی جو نئی نئی چیزیں کام میں لائی جاتی ہیں' یہ بھی چونکہ آنحضورﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور میں نہیں تھیں' لہٰذا ان کا شمار بھی بدعات میں ہونا چاہیے۔ یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ نئی نئی ایجادات سے فائدہ انہیں دین کا حصہ سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے نہیں اٹھایا جاتا' بلکہ یہ تو دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے برتنے کی چیزیں ہیں۔ کوئی شخص گھر میں فریج یا اے سی کا استعمال ثواب کے لیے تو نہیں کر رہا ہوتا۔ اصل میں سارے بگاڑ کا آغاز اُس وقت ہوتا ہے جب کسی ایسے کام کو دین کا حصہ سمجھ کر ثواب کے حصول کی خاطر کیا جائے جس کا سراغ نبی کریمﷺ اور صحابہ کے دَور میں نہ ملتا ہو۔ ایسی چیزیں جب بڑھتی ہیں تو پھر بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اور معاشرے میں ایک لازم شے کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ پھر جو شخص انہیں اختیار نہیں کرتا' اسے مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے دین میں سنت رسولﷺ کے حوالے سے کسی شخص کے انتقال کے بعد اہم ترین شے اُس کی نمازِ جنازہ اور تدفین ہے اور اس کے بعد ایک اجتماعی دعا بھی سنت سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کسی رسم اور تقریب کا کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن آج اکثر لوگوں کو نمازِ جنازہ تو یاد نہیں ہے جبکہ سوئم اور چالیسویں کی مجالس میں شرکت لازمی تصور کی جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں بعد کے دَور کی پیداوار اور ہندوانہ پس منظر کی حامل ہیں۔ چنانچہ اصل شے غائب ہوگئی جبکہ

بدعات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ان بدعات کی وجہ سے مرنے والے کے لواحقین پر خرچ کا بے پناہ بوجھ پڑتا ہے جو قطعی طور پر ناروا اور ناجائز ہے' جبکہ ان کا اصل ''فائدہ'' صرف ان نام نہاد مذہبی طبقات کو ہوتا ہے جنہوں نے دین کو پیٹ کا دھندا بنا رکھا ہے اور جو دین کے نام پر غریب عوام کا بدترین استحصال کرتے ہیں۔ آنحضورﷺ اس نوع کے تمام ناروا بوجھوں سے نوعِ انسانی کو نجات دلانے آئے تھے لیکن ہم نے رسومات کا ایک طومار گھڑ کر دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی تیسری آیت کی رُو سے قرآن نے اس امر کی توثیق کر دی ہے کہ حضور اکرمﷺ نے جو دین دنیا کو دیا' وہ ہر اعتبار سے پورا ہے۔ لہٰذا جو کوئی بھی اس میں کسی قسم کے اضافے کی کوشش کرے گا' وہ دین کا حلیہ بگاڑے گا۔ (جاری ہے)

فقہی اختلافات کی بنیاد پر
اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ کا
ایک حل

ڈاکٹر اسرار احمد

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے یہ خطاب اسلام آباد میں ۱۰شوال المکرّم ۱۴۰۰ھ (۲۱/اگست ۱۹۸۰ء) کو صدر ضیاء الحق مرحوم کے زیرصدارت منعقدہ علماء کنونشن میں کیا تھا۔ وزارت مذہبی امور کی جانب سے اس علماء کنونشن میں کی گئی تمام تقاریر کومن وعن کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا۔ بانی تنظیم کے خطاب کی نوک پلک درست کر کے اسے تحریری صورت دے کر ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولِہِ الکریم ...... امّا بَعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَمَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسٰۤی اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ط﴾ صدق اللّٰہ العظیم

’’مقرر کیا ہے (اے مسلمانو!) تمہارے لیے بھی وہی دین جس کی وصیت کی تھی ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور جو وحی کیا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم الصلاۃ والسلام) کو کہ قائم رکھو دین کو اور اس کے بارے میں متفرقہ میں مبتلا مت ہو‘‘۔

صاحب صدر اور سامعین کرام! السلام علیکم

مَیں اس مجلس میں اُن تین موضوعات میں سے جو ہمیں دیے گئے تھے‘ تیسرے موضوع کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا عنوان جو یہاں دیا گیا‘ وہ یہ ہے کہ ’’اسلامی نظام میں فقہی اختلافات کا حل کیا ہے؟‘‘ میں اس کو اِس وقت کی صورت حال کے پیشِ نظر جو بالفعل ہمارے ہاں موجود ہے‘ یوں بدل رہا ہوں کہ ’’اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں فقہی اختلافات کی وجہ سے جو رکاوٹ پیش آ رہی ہے اس کا حل کیا ہے؟‘‘

میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ موضوع بہت حسّاس (sensitive) ہے۔ ہمارے ہاں حال ہی میں (recently) جو معاملات ہوئے ہیں‘ اور ایک واقعہ کا حوالہ اس مجلس میں بھی آ چکا ہے‘ اس کی وجہ سے یہ مسئلہ بہت جذباتی ہو چکا ہے۔ میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد جب یہاں کچھ حلقوں کی طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ ہوا تو اس دوسرے حلقے کی جانب سے جس کی طرف ابھی مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے اشارہ فرمایا ہے کہ تعلیم و تربیت کی وجہ سے جن کا حال یہ ہو چکا تھا کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ!

یعنی وہ ملحدین جنہیں اباحیت پرست یا اباحیت پسند کہہ لیجیے‘ ان کی طرف سے سب سے بڑا اعتراض یہی آیا تھا کہ کس کا اسلام؟ بقول ان کے پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہو سکتا‘ کیونکہ کس کا اسلام آئے گا؟ سنی کا آئے گا؟ شیعہ کا آئے گا؟ بریلوی کا آئے گا‘ دیوبندی کا آئے گا‘ حنفی کا آئے گا‘ مالکی کا آئے گا یا اہل حدیث کا آئے گا؟۔ اس طبقے کی طرف سے یہی سب سے بڑی دلیل ہے جو بار بار پیش کی گئی اور آج محسوس یہ ہو رہا ہے کہ شاید ہم اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرنے پر تل چکے ہیں کہ اُس وقت اُن لوگوں کی دلیل صحیح تھی اور پاکستان میں اگر اِس دلیل کو کسی درجے میں بھی پذیرائی حاصل

ہوئی تو ماننا پڑے گا کہ پاکستان کی منزل اسلام نہیں ہوسکتی۔

اس سلسلے میں ۳۳ سال میں جو کچھ ہوا ہے اس میں سے پہلے ۳۰ سالوں کے بارے میں مَیں یہ عرض کروں گا کہ قراردادِ مقاصد کو علیحدہ رکھ دیجیے اور دوسری نظری قسم کی باتوں کو علیحدہ رکھ دیجیے تو عملاً اسلام کی طرف سرے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی' بلکہ مخالف سمت میں سفر ہوتا رہا۔ یہ جو آخری تین یا اڑھائی سال ہیں ان کے بارے میں بھی میں معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ صاحب صدر! جو کچھ ہوا ہے وہ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اس ضمن میں بھی جو ہماری پہلی قیادت سے خطا ہوئی تھی اس کا اعادہ پھر ہو چکا ہے۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد ہمارے ہاں دین کے حق میں جو جوش وخروش تھا اگر اس کو صحیح طور پر استعمال کیا جاتا تو یہ سارے سردرد ختم ہو جاتے۔ اسی طرح نظامِ مصطفیٰؐ کی تحریک کے بعد اِس ملک میں دوسری بار اِس قسم کا جوش وخروش' بلکہ اس سے بڑھ کر جذبہ بیدار ہوا تھا' اگر فوری طور پر اقدامات کیے گئے ہوتے تو ہم بہت سے مراحل طے کر چکے ہوتے۔ میں یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ واقعہ یہ ہے کہ اصل قیمتی وقت ہم ضائع کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہماری فروگزاشتوں سے درگزر فرماتے ہوئے ہمیں مزید موقع عنایت فرمائے۔ اصل میں یہ ایک گریس پیریڈ ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ہم اصل وقت گم کر چکے ہیں۔

میں اس کے ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے لیے یہ مسئلہ فقہی یا مذہبی نہیں ہے' یہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی شخص کو اِس میں کوئی شک ہو کہ پاکستان اور اسلام لازم وملزوم نہیں ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ پاگل خانے سے ورے اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ کوئی شخص جو اسلامی اجتماعیات کا ذرا سا بھی درک رکھنے والا ہو وہ آئے اور ثابت کرے کہ اس ملک کے لیے' اس کی بقا کے لیے' اس کے استحکام کے لیے' بلکہ میں کہہ رہا ہوں کہ اس کے وجود کے لیے اس کے سوا

E:\Ms-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq august05\kk31-03.inp 8/22/2014 3:08 PM PAGE 2 (1,1)

کوئی اور جواز بھی ہے کہ یہاں اسلام قائم کیا جائے؟ ہم ایک سزا بھگت چکے ہیں۔ ملک آدھے سے کم رہ گیا ہے۔ قائداعظم نے جو پاکستان بنایا تھا وہ اب ''پاکستان جو تھا'' (Pakistan that was) کہلاتا ہے' جبکہ موجودہ پاکستان کو آپ ''بچا کھچا پاکستان'' کہتے ہیں۔ ہماری سرحدوں کے دونوں طرف حالات کا جو رخ ہے اور ہمارے ملک کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے اگر آپ صرفِ نظر کر کے اور اسے صرف ایک جزوی اور مذہبی مسئلہ سمجھ کر آگے چلیں گے تو پاکستان کے لیے باقی رہنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ تاریخ کا فیصلہ (Dictate of history) ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ کسی بھی ملک کی بقا کے لیے جتنے بھی عوامل (Factors) ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک عامل بھی ہماری پشت پر موجود نہیں ہے' سوائے دین اور مذہب کے۔ آپ ذرا ان ممکنہ عوامل کو ایک ایک کے گنئے! ایک تاریخی عامل (Historical Factor) ہوتا ہے۔ کوئی ملک جب سے تاریخ چلی ہے' اسی نام سے چلا آ رہا ہے۔ مثلاً چین کا نام تاریخ میں ہمیشہ سے چین ہے' جبکہ پاکستان کے پیچھے وہ تاریخی جواز اور تقدس (Historical Sanctity) موجود نہیں ہے۔ تینتیس (۳۳) سال پہلے یہ ملک نہیں تھا۔ اسی طرح ایک جغرافیائی عامل ہوتا ہے' وہ بھی ہماری پشت پر نہیں ہے' بلکہ ہمارے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہماری مشرقی سرحدیں خالص مصنوعی سرحدیں ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے ان سے زیادہ مصنوعی سرحدوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ میدانوں کو آپ نے اس طرح کاٹا ہے جیسے کیک کاٹا جاتا ہے۔ دریاؤں کو آپ نے کاٹا ہے۔ ریت کے ٹیلے (Sand dunes) جو بہاولپور سے کراچی تک چلے گئے ہیں ان کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ آج اِدھر ہیں' کل اُدھر ہیں۔ پھر کوئی مضبوط قومیت (Strong Nationalism) جو کسی ملک کی بقا کی ضمانت دے سکے' وہ بھی ہمارے ہاں نہیں ہے۔ اس وقت اس کے لیے سب سے بڑا عامل نسلی قومیت (Racial Nationalism) ہے جبکہ ہمارے ہاں ابن خلدون کی اصطلاح میں کوئی ''نسلی تعصب'' موجود نہیں ہے۔ نیشنلزم کا دوسرا بڑا عامل لسانی عصبیت ہے۔

آج کا عرب نیشنلزم جیسا کچھ بھی ہے وہ اس لسانی عصبیت کی بنیاد پر قائم ہے۔ ہمارے ہاں وہ لسانی عصبیت بھی موجود نہیں ہے۔ تو ہے کیا ہمارے پاس جس کا سہارا لیں؟ سوائے دین کے' سوائے اسلام کے' سوائے اُس جذبے کے جس نے اِس ملک کو بنایا تھا!

میں یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں کے دانشوروں میں سلہری صاحب کا بہرحال ایک مقام ہے' اور انہوں نے جس قدر اخبارات میں رٹ لگائی ہے Muslim Nationalism اور Muslim Nationhood کی' اپنی جگہ وہ سب چیزیں درست ہیں ـــــــ لیکن میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان بننے سے پہلے اس مسلم نیشنلزم کے پیچھے ہندو کے طرزِ عمل کا ایک ردِّعمل تھا' اس کا وہ رویہ تھا جو مسلمان کو جگاتا تھا کہ یہ اور ہے میں اور ہوں۔ پاکستان بننے کے بعد وہ فیکٹر موجود نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلم نیشنلزم ہی اس ملک کو بچا سکتا ہے' بشرطیکہ اس کی بنیاد ''مثبت اسلام'' پر ہو' ''عملی اسلام'' پر ہو' صرف نعرے پر نہ ہو' صرف جہاد پر نہ ہو۔ وہ اگر اس کی بنیاد بنے گا تب مسلم نیشنلزم یہاں پر پنپ سکتا ہے' ورنہ نہیں۔

بہرحال جو مسئلہ اِس وقت درپیش ہے اس کے سلسلے میں مَیں یہ عرض کروں گا کہ اس کے حل کے ضمن میں مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے جو کچھ آپ کے سامنے رکھا ہمارے لیے وہ ایک بہت بڑا نمونہ ہے۔ اُس وقت عالمِ اسلام میں دو ہی ممالک تھے جن میں یہ عظیم تحریکیں چلیں۔ دونوں جگہ مختلف حکمران تھے۔ ایران ہم سے آگے نکل گیا ہے' ہمیں ماننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے! ان کے لیے جو خدشات و خطرات ہیں وہ کسی بھی انقلاب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انقلاب مخالف قوتیں (Counter revolutionary forces) کبھی بھی آرام سے نہیں بیٹھا کرتیں۔ حضورﷺ کے انتقال کے فوراً بعد ہی ارتداد کا فتنہ بھی آ گیا تھا اور نبوتِ کاذبہ کے فتنے نے بھی سر اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ فتنے تو یقیناً وہاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\hk31-03.inp 8/22/2014 3:08 PM PAGE 3 (1,1)

کو فروفرمائے! بہرحال ہمارے لیے اس معاملے میں یہ ایک بہت ہی روشن مثال ہے۔ لیکن اس ضمن میں مَیں یہ چاہوں گا کہ اِس پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بعض چیزوں کو ذرا ٹھنڈے دل سے اور مکمل طور پر ہم اپنے سامنے رکھیں۔

پہلی بات جو سامنے آئی ہے وہ یہ کہ ہمیں پبلک لاء اور پرسنل لاء میں واضح امتیاز ہونا چاہیے۔ یہ معاملہ اصل ہے جس کے ذریعے سے اِن اختلافات کو حل کیا جا سکتا ہے اور اس رکاوٹ کو دور کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک پرسنل لاء کا تعلق ہے' اور ہمارے ہاں جو فقہی اصطلاحات ہیں' ان کے حوالے سے میں عرض کروں گا کہ آدھا دین ''عبادات ومناکحات'' میں آ جاتا ہے' مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' اور نکاح' طلاق' وراثت وغیرہ۔ ان کی تفاصیل اس دفعہ میں بھی ہیں جو ابھی انصاری صاحب نے آپ کو پڑھ کر سنائی ہے۔ اور یاد رہے کہ ان ساری چیزوں کے بارے میں مذہبی ذہن زیادہ حسّاس (sensitive) ہوتا ہے۔ مثلاً میری نماز ٹھیک ہوئی یا نہیں' میرا روزہ صحیح ہوا یا نہیں' صحیح وقت پر میں نے روزہ رکھا ہے یا نہیں' صحیح وقت پر کھولا ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ چند منٹوں کا فرق اگر ہو گیا تو روزہ گیا۔ اسی طرح مناکحات کا معاملہ حسّاس ہے۔ ان دونوں چیزوں کا پرسنل لاء احاطہ کر رہا ہے۔ چنانچہ ان کو تو علیحدہ رکھا جائے اور لوگوں کی بالکل آزاد مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ہمارے ہاں جتنے بھی فقہی گروہ موجود ہیں ان سب کی کامل آزادی کی ضمانت دی جائے۔ اور اس کا ایک لازمی نتیجہ (corollary) یہ ہے کہ ہمارے ہاں جب بھی مردم شماری کرائی جائے اس میں متعین کیا جائے کہ کس فرقے کے کتنے لوگ ہیں' تاکہ کوئی اپنی اصل آبادی کی حد سے بڑھ کر مطالبہ نہ کرنے لگے۔ اس کا شمار اور اندراج (census) لازماً ہونا چاہیے۔

جب آپ اس مملکت کی بنیاد مذہب کو مانتے ہیں تو مذہب میں دو چیزیں ہیں' دین اور مذہب۔ دین ایک ہے' مذاہب جدا جدا ہیں۔ جیسے مذہب مالکی' مذہب شافعی' مذہب حنفی' مذہب اہل حدیث اور مذہب جعفری۔ تو اگر آپ کو دین اور مذہب کو اساس

بنانا ہے تو اس سے گھبرائیے نہیں۔ ہمیں پھر معین کرنا چاہیے کہ کون کیا ہے‘ کون کس فقہ کا ماننے والا ہے‘ کون کس طرزِ عبادت کو صحیح سمجھتا ہے‘ کون مناکحات میں کس نقطۂ نظر کو صحیح سمجھتا ہے۔ اس معاملے میں آبادی کے اندر جہاں ہندو اور مسلمانوں کی یا غیر مسلم اور مسلمان کی تقسیم ہوگی وہاں پر باقاعدہ مسلمانوں کی تقسیم بھی لانی پڑے گی‘ تا کہ معلوم ہو جائے کہ واقعتاً ہمارے ہاں کتنے لوگ کس مسلک کے موجود ہیں۔

پھر یہ کہ ہر مسلک کے لیے ایک بورڈ بنایا جائے جو انہی کے ووٹوں سے بنے۔ حکومت کی مراعات بھی ہوں تو وہ آبادی کے تناسب سے اُن میں تقسیم کی جائیں‘ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہونی چاہیے۔ وہ اپنے مذہبی مسالک کے فروغ کے لیے اگر خود بھی کچھ contribute کریں تو وہ بھی اُس بورڈ کے پاس جانا چاہیے جو اُن کے مسلک کے معاملات کی دیکھ بھال کر رہا ہو۔ میں مساجد کو بھی اس میں شامل کر رہا ہوں۔ عقلِ کل کا مدعی تو یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ بہرحال میری جو ایک طالب علمانہ سوچ ہے اس کا حاصل میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔

جہاں تک مساجد کا تعلق ہے ان کے مسلک کی تعیین میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ مسجد بالعموم پہلے سے متعین ہوتی ہے کہ کون لوگ اس کی تعمیر میں شریک ہیں اور اس کے لیے مالی معاونت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ سابق زمانہ میں مسجد بنانے والا ہی متولی ہوتا تھا اور اس کی طرف سے طے ہوتا تھا کہ اس مسجد کا انتظام کس مسلک کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ لہٰذا اس چیز کا تحفظ ہونا چاہیے۔ پرسنل لاء یعنی عبادات اور مناکحات میں زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے اور وہ آزادی حکومت کی طرف سے تسلیم شدہ ہو‘ حکومت ان کو منظور (recognize) کرے۔ مختلف مسالک کے اپنے بورڈ ہوں اور حکومت کی مراعات میں بھی ان کو اپنی آبادی کے تناسب سے حصہ ملے اور ان کی مساجد اور مدارس و اوقاف اُس بورڈ کے تحت ہوں۔ پرسنل لاء احوالِ شخصیہ یعنی عبادات اور مناکحات پر مشتمل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بالکل وہی صورت قابل عمل ہے جو امام خمینی نے اپنے ہاں رائج کی ہے۔ اس کو

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\kk31-03.inp 8/22/2014 3:08 PM PAGE 4 (1,1)

ہمارے ہاں بھی بعینہٖ (in letter and in spirit) جاری کرنا چاہیے۔

جہاں تک پبلک لاء کا تعلق ہے تو اس میں بھی میں ایک بات عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں' اور میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ بہت سے حضرات کو پسند نہ آئے۔ وہ بات یہ ہے کہ پبلک لاء میں کسی فقہ کا تخصص نہیں ہونا چاہیے۔ پبلک لاء صرف دو چیزوں پر مبنی ہونا چاہیے' ایک قرآن اور دوسری سنت رسول ﷺ۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ چیز پہلے سے چلی آ رہی ہے اور ہمارے ہاں دستوری مسودے میں یہ الفاظ موجود ہیں:

> *"No legislation will be done repugnant to the Holy Quran and Sunnah."*

اس میں کسی فقہ کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ جس دَور میں سانس لے رہے ہیں اِس دَور کے کچھ تقاضے ہیں' ان سے صرفِ نظر کر کے آپ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ آج اورنگ زیب عالمگیرؒ وغیرہ کے دَور کی فقہی کاوشیں سب کے لیے قابل قبول نہیں ہوں۔ مجھے کاظمی صاحب کی بیان کردہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال بڑی پسند آئی ہے' اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال لیں گے تو سارے فقہی اختلافات اُن کے بعد کے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پبلک لاء کی اگر کوئی دلیل تھی تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ تھی۔ کوئی فقہ اس کی دلیل نہیں تھی اور نہ اس کا وجود تھا' بلکہ اس کی صرف دو ہی بنیادیں اور ستون (pillars) تھے' یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ۔ البتہ آج کے دور میں اس کی تنفیذ کیسے ہو' اِس کا میرے سامنے جو نقشہ ہے وہ دوطرفہ ہے۔ ایک اس کا منفی پہلو ہے جو اِس دفعہ کے اندر ہمیشہ کے لیے شامل کر دیا گیا ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے۔ یہ معاملہ ہمارے عدلیہ کے اختیارات میں شامل ہونا چاہیے۔ کوئی بھی شخص جا کر عدلیہ کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ثابت کرے کہ فلاں مرّوجہ' نافذ شدہ قانون یا فلاں زیرِ غور مسودۂ قانون قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ یہی طریق عمل مفید

ہو سکتا ہے۔ اگر آپ نے بورڈ بنائے تو وہاں وہی سوالات اٹھائے جائیں گے کہ کون سی فقہ؟ پھر فقہ حنفی اگر ہے تو اُس میں کون سا مکتب فکر ہے؟ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہی ہماری دو مسلّمہ بنیادیں ہیں۔ ہمارے کلمے کے اجزاء دو ہی ہیں: لا الٰہ الا اللہ' محمد رسول اللہ۔ ایک کا قائم مقام قرآن (The word of God) ہے اور دوسرے کی قائم مقام سنت رسولؐ ہے جو زندہ و پائندہ ہے۔ ان دو پر ہمارا سارا نظام چلے گا۔ تو اس میں منفی پہلو یہ ہے کہ جو قانون یا مسودۂ قانون ثابت کر دیا جائے کہ اِن کے مطابق نہیں وہ بے اثر اور کالعدم (Null and void) ہو جائے گا۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے ایک خلا پیدا ہو گا۔ آخر اس خلا کو پُر کون کرے گا؟ یہ ہے وہ چیز جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک اس ملک کے اندر پولیٹیکل بیس نہیں بنے گی کوئی نظام نہیں بن سکتا۔ آپ قبائلی دَور کی زندگی کا تصور نہ کیجئے' یہ دَور اب یہاں نہیں آ سکتا۔ آج کے دور میں کسی خطے یا کسی ملک کے اندر مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگوں کو جب تک شمولیت (participation) نہیں ملے گی تصادم موجود رہے گا۔ یہاں پر کوئی ایسا نظام ہونا چاہیے جو اِس خلا کو پُر کرے۔ علماء کا کام بھی یہی ہے کہ وہ مجموعی رائے کا جواب دیں اور عوام کو بتائیں کہ یہ بات غلط ہے۔ آخر اس ملک کے عوام مسلمان ہیں اور چاہے وہ اپنے عمل کے اعتبار سے کتنے کوتاہ ہوں جذباتی اعتبار سے وہ اس معاملے میں بڑے بیدار ہیں۔ اگر ثابت کر دیا جائے کہ یہ چیز اسلام کے اندر غلط ہے تو اس کو عوام کی تائید حاصل ہو جائے گی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علامہ اقبال جنہوں نے پاکستان کا تصور دیا تھا' اس اسلامی مملکت میں قانونِ اسلامی کی تنفیذ کے علمی مسائل سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان ہی کے سامنے آئے تھے۔ یہ وہی شخص ہے جو گڑگڑا کر مولانا انور شاہ کاشمیری سے یہ درخواستیں کرتا رہا کہ آپ لاہور تشریف لے آئیں' جدید تقاضوں اور جدید قانون کو جاننے والا میں ہوں اور قدیم کے ماہر آپ ہیں' ہم مل کر اسلامی قانون کی تدوینِ نو کا مرحلہ طے کر لیں۔ اس کے نفاذ کا وقت آئے گا تو اُس وقت

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\hk31-03.inp 8/22/2014 3:08 PM PAGE 5 (1,1)

مکمل قانون ضروری ہوگا جبکہ ہم خلا میں کھڑے ہوں گے اور ہمارے پاس وہ چیز موجود نہیں ہوگی۔ اسی طرح انہوں نے اپنے خطبات میں اجتہاد کے بارے میں جو بات واضح کی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بہت سے دوست اس کو پسند نہیں کریں گے۔ لیکن ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کسی جدید ریاست کے اندر اس کے سوا راستہ موجود نہیں ہے کہ اس کے لیے کوئی ادارہ ہو جس کو عوام کی تائید حاصل ہو۔ اُس کے لیے آپ طے کر لیجیے کہ الیکشن کے اصول کیا ہوں‘ قاعدے کیا ہوں‘ ضوابط کیا ہوں‘ Franchis کی بنیاد کیا ہو‘ اِس وقت ہم اس پر بحث نہیں کر رہے ہیں۔ کوئی ایسا ادارہ جس کو کہ عوام کی طرف سے (تقدس sanctit) اور اختیار (authority) تفویض کیا گیا ہو وہی کسی چیز کی تنفیذ کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف یہ ادارہ بھی موجود ہو اور قانون کی تشکیل اور تدوین کر رہا ہو اور دوسری طرف چیک جو ہو وہ عدلیہ کے ذریعے سے ہو رہا ہو۔ اگر کوئی غلط چیز بن گئی ہو تو اس کو کالعدم (Null and Void) کر دیا جائے۔

اس ضمن میں صرف ایک اضافے کی ضرورت ہوگی کہ درمیان کا وقت جو ہے اس میں سابق قانون برقرار رہے گا۔ اس لیے کہ خلا نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ قانون سازی بروقت نہیں ہو رہی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرہ ابھی بیدار نہیں ہوا‘ معاشرے میں اسلام کی طرف فیصلہ کن رجحان ابھی موجود نہیں ہے۔ اور اگر وہ موجود نہیں ہے تو آپ قوانین کو مصنوعی طور پر تھوپ نہیں سکتے۔ اس کے لیے آپ کو عوام کے ذہن‘ ان کے فکر‘ ان کی سوچ کو بدلنا ہوگا۔ اور طویل راستے کو اگر آپ نے شارٹ کٹ سے طے کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ وہی ''rebound'' ہوگا‘ جو ہوتا رہا ہے اور بار بار ہوا ہے اور ہماری کوششیں ناکام ہوئی ہیں۔

اب میں آخری بات عرض کر رہا ہوں۔ یہ ساری چیزیں تو وہ ہیں جو بہرحال طالب علمانہ سوچ کا حاصل ہیں جو میں نے آپ حضرات کے سامنے رکھیں۔ لیکن ان فقہی اختلافات کے حل میں سب سے اہم چیز تقویٰ ہے۔ آج مجھے حیرت ہوئی کہ

محترم قاری صاحب نے بہترین آیات کا انتخاب کیا' لیکن اس سلسلہ کی اہم ترین آیت چھوڑ دی ہے۔ ان سارے معاملات کی بنیاد بے شک تقویٰ پر ہے۔ آج جو آیات تلاوت کی گئیں ان سے پہلے یہ آیت ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

اس کے بعد عطف آتا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ معطوف علیہ کو قاری صاحب نے چھوڑ دیا ہے۔ جب تک کہ تقویٰ پیدا نہ کیا جائے' آخرت کی جواب دہی کا احساس عوام الناس میں بیدار نہ کیا جائے' جب تک خدا کے ساتھ ہماری وفاداری مستحکم نہیں ہوتی یہ اختلافات ہوتے رہیں گے۔ انسان جب اصل سے ہٹ جاتا ہے تو لازماً اس کی فروعات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر چھوٹی چیزیں بڑی بنتی ہیں۔ اس بڑی چیز کو سامنے لانے کے لیے ہمارے ذرائع ابلاغ کو مؤثر کردار ادا کرنا چاہیے۔

صدر محترم! میں معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اب تک ذرائع ابلاغ نے بھی اختلافات کو ہوا دی ہے' انہیں perpetuate کیا ہے۔ ایک اجتماعی فکر پیدا کرنے کی بجائے شاید تقسیم یہ کی گئی ہے کہ سب کو خوش (satisfy) کرنے کی کوشش کی جائے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عوام کے سامنے کوئی فکر نہیں آ رہا ہے' بلکہ چوں چوں کا مربّہ بن رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ فقہی اختلافات کی بجائے ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے کسی ایک مسلک کی فکر کو تھوپیں' بلکہ ایمان جو جڑ اور بنیاد ہے' اس کو مستحکم کیجیے۔ آپ کے ذرائع ابلاغ کے جتنے بھی شعبے ہیں وہ ایمان و یقین اور آخرت کی جواب طلبی کی نشر و اشاعت کریں۔ اسی سے تلخیوں کے اندر کمی آئے گی۔ اور جو اس آیت میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو سب مل کر"' انتہائی اہم ہیں — لیکن یہ کون بتائے گا کہ وہ رسّی کون سی ہے؟ یہ حق

بلکہ فرض ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ قرآن میں اگر کسی تفصیل کی احتیاج ہو تو رجوع کرنا پڑے گا محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے: ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) ''یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے''۔ اس حدیث کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اگر اس کی طرف اپنے تمام ممکنہ ذرائع ابلاغ کو عوام کی ذہن سازی کے لیے مرتکز نہیں کریں گے تو ''نشستند و گفتند و برخاستند'' ہوگا اور کچھ آپ کی مدح سرائی ہوگی، مگر آپ کی تعریفوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تلخ نوائی پر میں معذرت خواہ ہوں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\hk31-03.inp 8/22/2014 3:09 PM PAGE 7 (1,1)

التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم

تحریر: مولانا گوہر رحمٰنؒ

الجماعۃ اور اس کے التزام کا ذکر احادیث نبویہؐ میں بار بار آیا ہے۔ زیرِ نظر علمی اور تحقیقی مقالے میں التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا گوہر رحمٰنؒ (شیخ القرآن والحدیث جامع اسلامیہ تفہیم القرآن مردان) نے یہ مقالہ ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کو تحریر فرمایا تھا' جو اُن کی کتاب ''تفہیم المسائل'' جلد پنجم میں شامل ہے۔

باعثِ تحریر

مدنیت اور اجتماعیت انسان کی طبیعت اور فطرت ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ اجتماعی نظام قائم کیا جائے اور ایک عادل و صالح امیر کی امارت کے تحت زندگی گزاری جائے۔ رسول اللہﷺ نے امیر کی اطاعت سے نکلنے کو جاہلیت قرار دیا ہے اور التزامِ جماعت کا حکم دیا ہے' لیکن تحقیق طلب بات یہ ہے کہ التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور ''الجماعۃ'' کی حقیقت کیا ہے؟ جس سے بالشت برابر علیحدگی بھی ایک مسلمان کو جاہلیت کے دائرے میں لے جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ:

> ''جب ملت اسلامیہ اپنی سرزمین میں خودمختار ہو اور اس کا کوئی حکمران ہو تو ان کے اس عمل سے جو ریاست یا نظمِ سیاسی وجود میں آئے گا وہ ''الجماعۃ'' کہلائے گا۔ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک ہی نظم اجتماعی سے وابستہ ہوں۔...... حدیث کے اس مطلب کی روشنی میں جس کو ہم نے اوپر واضح کیا ہے' یہ حکم (التزامِ جماعت کا حکم) ہمارے ملک میں حکومت پاکستان کے ساتھ وفادار رہنے اور اس کے قوانین کی پابندی کرنے سے پورا ہو جاتا ہے اور ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان ہی اس سرزمین کے مسلمانوں کے لیے الجماعۃ ہے''۔ (۱)

(۱) ماہنامہ اشراق' فروری ۱۹۹۴ء' ص ۱۵'۱۶۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 1 (1,1)

اس نقطۂ نظر کے حاملین اس حکم شرعی کو تو جانتے اور مانتے ہیں کہ:

''حکمران بلاشرط مطاع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ شرط لگا دی کہ جب تک وہ قرآن و سنت پر عامل ہے اور شریعتِ اسلامیہ کو قانونِ بالا (سپریم لاء) تسلیم کرتا ہے اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے۔...... یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اسلام کے عقائد کا انکار کردے' بلکہ حکمرانوں کے معاملے میں یہ بھی کفر ہے کہ وہ فصل نزاعات اور قانون سازی میں اللہ کی دی ہوئی شریعت کی خلاف ورزی کریں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾...... ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾...... ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (المائدۃ)

''اور جو لوگ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں جسے اللہ نے نازل کیا ہے وہی کافر ہیں......وہی ظالم ہیں......وہی فاسق ہیں''۔ (۱)

لیکن شریعت کے اس حکم کو جاننے اور ماننے کے باوجود اُن کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے جس کا اظہار جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر جناب میاں طفیل محمد صاحب کے ایک تنقیدی خط کے جواب میں اس طرح کیا گیا ہے:

''شریعت کی رو سے تو کفر بواح کی مرتکب حکومت بھی اُس وقت تک الجماعۃ ہوتی ہے جب تک عامۃ الناس کا اعتماد اسے حاصل ہو اور مسلمان رعایا اس پر مجتمع ہو۔ اس کی اطاعت سے علیحدگی اور تخلف ممنوع ہے''۔

اس تضاد کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ:

''التزامِ جماعت کے حکم کی علت اور حکمت نفاذِ دین اور غلبۂ دین نہیں ہے' بلکہ اتفاق و اتحاد کا حصول اور افتراق و انتشار سے تحفظ التزامِ جماعت کی اصل علت ہے''۔ (ایضاً)

التزام جماعت کے مفہوم کے بارے میں ایک مکتب فکر تو یہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی منتخب و معتمد حکومت الجماعۃ ہے' خواہ عادل و صالح ہو یا فاسق و فاجر ہو یا کھلے اور صریح کفر کی مرتکب ہو' جیسی بھی ہو' مگر جب تک اسے عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہے اس وقت تک اس کی اطاعت کرنا اور اس کا وفادار رہنا شریعت کا تقاضی ہے۔ باقی رہیں وہ تنظیمیں اور جماعتیں جو دعوتِ دین' غلبۂ دین اور اقامتِ دین کے لیے بنائی جاتی ہیں وہ اس مکتب فکر کے نزدیک جائز تو ہیں مگر قرآن و سنت میں ایسی جماعتیں بنانے کے لیے نہ کوئی نص موجود ہے اور نہ کسی غیر حکومتی جماعت کے التزام و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ سمع و طاعت سے متعلق

---

(۱) ماہنامہ اشراق' فروری ۱۹۹۴ء' ص ۱۴۔

تمام نصوص کا تعلق صرف حکومت وقت سے ہے جب کہ وہ عامۃ الناس کی معتمد ہو۔

التزامِ جماعت کے بارے میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چونکہ حدیث صحیح میں جماعت المسلمین اور اس کے امام کے التزام کا حکم دیا گیا ہے اس لیے آج سے غالباً ۳۰ سال پہلے کراچی میں جو جماعت المسلمین بنائی گئی تھی اس میں شمولیت اختیار کر لی جائے اور دوسرے ناموں سے فرقے اور جماعتیں نہ بنائی جائیں۔ اس نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ حکومت پاکستان ''الجماعۃ'' ہے اور نہ دوسرے ناموں سے بنائی گئی تنظیمیں اور جماعتیں ''الجماعۃ'' ہیں' بلکہ ''الجماعۃ'' سے مراد جماعت المسلمین ہے۔ التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ جماعت المسلمین اور اس کے امام کی اطاعت کی جائے۔

ان دو نقطہ ہائے نظر کے درمیان ایک عام مسلمان سخت الجھن کا شکار ہو سکتا ہے۔ میری اس تحریر کا مقصد کسی کے ساتھ مناظرہ کرنا نہیں ہے' بلکہ اپنے علم کی حد تک الجماعۃ اور التزامِ جماعت کے صحیح مفہوم کی تنقیح و تشریح کرنا ہے۔ کفر بواح کی مرتکب حکومت کے خلاف خروج اور مسلح بغاوت کا مسئلہ اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے' اس لیے اس موضوع پر فی الحال میں اپنی رائے پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور دینی سیاسی جماعتوں کے موضوع پر میرا ایک تفصیلی مقالہ میری کتاب ''تفہیم المسائل'' حصہ اوّل میں شامل ہے اور اس موضوع پر میرا ایک مضمون ''فاران'' میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر لکھنے کی اب ضرورت باقی نہیں رہی' کیونکہ میرا نقطۂ نظر قارئین کے سامنے آ چکا ہے۔

اس مضمون میں جن عنوانات پر بحث کی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حکومت بالفعل اور حکومت بالحق۔

(۲) اُمّت مسلمہ کے وجود کا مقصد اقامت دین ہے۔

(۳) اُمّت مسلمہ کی نمائندہ حکومت کا مقصد بھی اقامت دین ہے۔

(۴) **الجماعۃ** سے مراد وہ حکومت ہے جو اقامت دین کا کام کرتی ہو۔

(۵) قرآن و سنت سے منحرف حکومت طاغوت ہے۔

(۶) الجماعۃ بمعنی اہل سنت والجماعت۔

(۷) جماعت المسلمین کا صحیح مفہوم۔

(۸) دینی جماعتیں اہل سنت والجماعۃ کی برادر تنظیمیں ہیں۔

ان آٹھ موضوعات کے ذیلی عنوانات کے تحت اقامت دین کے مفہوم' اظہارِ دین کے

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 2 (1,1)

مفہوم‘ افتراقِ اُمّت کی حدیث کے مفہوم اور اہل سنت والجماعت کے مفہوم پر تفصیلی مباحث موجود ہیں۔ اِن شاء اللہ ان مباحث کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد الجھن ختم ہو جائے گی اور التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم معلوم ہو جائے گا۔

(۱) حکومت بالفعل اور حکومت بالحق

اصل موضوع پر بحث شروع کرنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت ضروری ہے جس کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے بعض سکالروں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ ایک حکومت تو وہ ہوتی ہے جو ایک امر واقعہ کے طور پر بالفعل قائم ہوتی ہے اور عملاً لوگ اس کو حکومت وقت کے طور پر تسلیم بھی کرتے ہیں اور اس کے انتظامی اور نظم ونسق سے متعلق قواعد وضوابط کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اس کی سڑکوں‘ ریلوے لائنوں اور ایئر لائنوں پر چلتے ہیں اور ٹریفک کے قواعد کی پابندی کرتے ہیں‘ اس سے اپنا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنواتے ہیں اور اس کو ٹیکس اور دوسرے سرکاری واجبات بھی ادا کرتے ہیں‘ بلکہ اپنے حقوق حاصل کرنے اور تنازعات کا تصفیہ کرانے کے لیے اس کی عدالتوں میں جانے پر بھی اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ایسی حکومتیں تو آج امریکہ‘ برطانیہ‘ فرانس‘ جرمنی‘ جاپان اور روس میں بھی عملاً قائم ہیں اور ان ممالک کے مسلمان شہری بھی ان کے ملکی قوانین کی پابندی کرتے ہیں اور مباحات کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ان حکومتوں کے انتظامی قواعد وضوابط کی پابندی کرنا شرعاً ممنوع بھی نہیں ہے‘ لیکن کیا صرف بالفعل موجود ہونے اور حکومت وقت ہونے کی وجہ سے ان غیر مسلم حکومتوں کو الجماعۃ کہا جا سکتا ہے جس کا التزام دین کا تقاضا ہے اور جس سے الگ ہونا جاہلیت ہے؟

ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بھی ان حکومتوں کو الجماعۃ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں نہیں کہہ سکتا؟ اس لیے کہ یہ حکومتیں بالفعل تو ہیں مگر بالحق نہیں ہیں۔ قرآن وسنت کی رو سے بالحق حکومت وہ ہوتی ہے جو اللہ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی کو نہ صرف یہ کہ اعتقاداً تسلیم کرتی ہو بلکہ عملاً حکومت کا پورا نظام قرآن وسنت کے مطابق چلاتی ہو‘ ورنہ وہ ظالم حکومت ہوگی اور ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے مصداق ظالموں کو حکومت کا حق نہیں ہے۔

اسی طرح پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ممالک کے اسمی اور نسلی مسلمانوں کی حکومتیں بالفعل تو ہیں مگر بالحق حکومتیں نہیں ہیں‘ اس لیے کہ ان کے حکمران اسماً اور نسلاً مسلمان

ہونے کے باوجود عملاً قرآن وسنت کی بالادستی بھی تسلیم نہیں کرتے اور شریعتِ اسلامی کا التزام بھی نہیں کرتے' بلکہ ملک کا نظام سیکولرازم اور لادین سیاست کے اصولوں کے مطابق چلاتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کو مسلمانوں نے منتخب کیا ہے تو جیسا کہ بعد کی سطور میں وضاحت کی جائے گی' قرآن وسنت کی بالادستی اور التزام سے عملاً منحرف ہو جانے والی حکومت کو بالحق حکومت نہیں کہا جا سکتا اگرچہ اس کو مسلمانوں نے منتخب کیا ہو اور اس کو عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہو۔ ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے یا فریب خوردگی کی وجہ سے یا مفاد پرستی اور خود غرضی کی وجہ سے اگر قرآن وسنت سے منحرف حکومت کو منتخب کر لیا ہو تو وہ بھی حکومت بالحق ہو گی! بالفعل اور بالحق کے اس فرق کو مدّنظر رکھتے ہوئے اب اگلے عنوان پر غور کیجیے!

(۲) اُمّت مسلمہ کے وجود کا مقصد اقامتِ دین ہے

اُمّت مسلمہ وہ عالمی اور آفاقی جماعت ہے جو توحید و رسالت کے عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ اس جماعت کی فکری قیادت رسالت محمدی یعنی قرآن وسنت کو تا قیامت حاصل ہے اور یہ پوری دنیا میں ایک ہی جماعت ہے۔ اور جو بھی اس جماعت سے باہر ہے وہ دائرۂ اسلام سے بھی خارج ہے' لہٰذا وہ جماعت جس کے التزام کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں رہ سکتا اور اس میں شمولیت کے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتا وہ تو ہے اُمّت مسلمہ' لیکن سوال یہ ہے کہ اُمّت مسلمہ کی تشکیل اور اس کے وجود کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی جماعت مقصد اور ہدف کے تعین کے بغیر نہیں بنائی جاتی۔ اُمّت مسلمہ خود اللہ نے بنائی ہے اور اس کی فکری قیادت و امارت رسالت محمدی کو دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کا بے مقصد ہونا ناقابل تصور ہے۔ کسی جماعت کا مقصد وہی ہوسکتا ہے جو اس کو بنانے والے نے متعین کیا ہو اور اس جماعت کے ارکان کو اس مقصد کے حصول کے لیے کام کرنے کا حکم دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''مقرر کیا ہے اس نے تمہارے لیے وہ دین جس کی وصیت کی تھی اس نے نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہے ہم نے تیری جانب اور جس کی وصیت کی تھی اس

نے ابراہیم (علیہ السلام) کو' موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو کہ قائم رکھو اس دین کو اور
پھوٹ نہ ڈالو اس میں۔''

اس آیت میں لَکُمْ کے مخاطب مسلمان ہیں اور پوری اُمّت مسلمہ ہے۔ ان کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا ہے کہ تمہاری اس جماعت کا مقصد وجود وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت رہا ہے' اور وہ یہ ہے کہ اقامت دین کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کو قائم کرنے اور قائم رکھنے میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ رہو' اختلاف نہ کرو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو' بلکہ سب مل کر دین کی اس رسّی کو مضبوطی سے تھام لو' اس لیے کہ یہ اقامت دین تمہاری جماعت کے وجود کا مقصد ہے اور اپنے وجود کے مقصد میں افتراق واختلاف کرنا ایک غیر معقول رویہ ہے اور اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں سے منتشر کرنے کے مترادف ہے۔ امام ابن جریر (متوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

الذی اوصی به جمیع هؤلاء الانبیاء وصیة واحدة وهی اقامة الدین[۱]

''ان سب انبیاء کو اللہ نے جو وصیت کی تھی وہ ایک ہی وصیت تھی اور وہ تھی اقامت دین کی وصیت۔''

یہ بات تو کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ نے اپنے انبیاء کو جو حکم دیا وہی حکم ان کی اُمتوں کے لیے بھی ہوتا ہے' اِلّا یہ کہ اللہ نے صراحت کے ساتھ فرما دیا ہو کہ یہ حکم نبی کے لیے مخصوص ہے' یا نبی نے کہہ دیا ہو کہ یہ حکم صرف میرے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

اختار هم اللّٰه لصحبة نبیه ولاقامة دینه[۲]

''اللہ نے ان کو اپنے نبی کی رفاقت کے لیے اور اقامت دین کے لیے چن لیا تھا۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اس اُمّت وسط کا مشن ''شہادتِ حق'' قرار دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ وہ اپنے قول وعمل سے حق کی گواہی دے گی اور اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا عملی نمونہ پیش کرے گی۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں اس اُمّت کی تشکیل کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتایا گیا ہے' لیکن چونکہ حق اور معروف سے مراد دین حق کے فرائض ہیں اور منکر سے مراد منہیات اور سیئات ہیں اس لیے نیکی کو پھیلانا اور برائی کو مٹانا

---

(۱) جامع البیان عن تاویل آی القرآن' سورۃ الشوریٰ' آیت ۱۳۔

(۲) مشکوٰۃ' کتاب الاعتصام' فصل ثالث۔

دین حق کی شہادت دینا اور اقامتِ دین کا فرض انجام دینا ہے۔

اقامت دین کا مفہوم

شاہ ولی اللہؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے ’’اَقِیْمُوا الدِّیْنَ‘‘ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے: ’’قائم کنید دین را‘‘ (دین کو قائم کرو) اور اس کی تشریح اپنی دوسری کتاب میں اس طرح کی ہے:

> آنحضرت ﷺ چوں مبعوث شدند برائے کافه خلق الله با ایشاں معامله ها کردند و تصرفها نمودند برائے هر معامله نواب تعین فرمودندو اهتمام عظیم در هر معامله مبذول داشتند چوں آن معاملات را استقرا نمائیم واز جزئیات بکلیات و از کلیات بکلی واحد که شامل همه باشد انتقال کنیم جنس اعلٰی آں اقامت دین باشد که متضمن جمیع کلیات است و تحت وے اجناس دیگر باشند(۱)
>
> ’’آنحضرت ﷺ جب ساری مخلوق کے لیے مبعوث ہوئے تو آپؐ نے لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات کیے اور مختلف تدابیر اختیار فرمائیں‘ ہر معاملے کے لیے اپنے نمائندے اور نائب مقرر فرمائے اور ہر معاملے کو انجام دینے کے لیے بڑا اہتمام فرمایا۔ اگر ہم ان سب معاملات کو معلوم کریں اور جزئیات سے کلیات معلوم کریں اور پھر کلیات سے ایسا واحد کلیہ معلوم کریں جو تمام کلیات کا جامع ہو تو وہ کلیہ اقامت دین ہی ہوسکتا ہے جو تمام کلیات پر مشتمل ہے اور اس کے تحت دین کے مختلف اجناس (شعبے) آتے ہیں۔‘‘

شاہ ولی اللہؒ کی درج بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمّت کی اصلاح کے لیے جو کام بھی کیے ہیں خواہ وہ اصول وکلیات سے تعلق رکھتے ہوں یا وہ فروع اور جزئیات سے متعلق ہوں‘ ان سب کا کلمۂ جامعہ اقامت دین ہے۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک اقامت دین سے مراد پورے کے پورے دین کو معہ اصول وفروع کے عملاً قائم کرنا ہے‘ نافذ کرنا ہے اور اس پر عمل درآمد کروانا ہے‘ صرف پڑھنا پڑھانا اور خود عمل کرنا اقامت دین کا جامع مفہوم نہیں ہے۔

مولانا مودودیؒ (متوفی ۱۳۹۹ھ) نے ترجمہ تو کیا ہے: ’’قائم کرو اس دین کو‘‘ مگر تشریح میں لکھا ہے:

---

(۱) ازالة الخفاء‘ طبع سہیل اکیڈمی لاہور‘ ص ۲۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\msil-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 4 (1,1)

’’اس فقرے کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے ”قائم کنید دین را“ کیا ہے اور شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے ’’قائم رکھو دین کو‘‘۔ یہ دونوں ترجمے درست ہیں۔ اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی‘ اور انبیاء علیہم السلام ان دونوں ہی کاموں پر مأمور تھے۔ ان کا پہلا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ دین قائم نہیں ہے وہاں اسے قائم کریں اور دوسرا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو وہاں اسے قائم رکھیں۔ جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہیں ان کے لیے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس چیز کی محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر کما حقہ عمل درآمد کرنا‘ اسے رواج دینا اور عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جب دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں اور دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں‘ بلکہ یہ بھی تھی کہ پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد ہونے لگے اور ہوتا رہے‘‘۔ (۱)

مولانا امین احسن اصلاحی نے ترجمہ کیا ہے ’’قائم رکھو اِس دین کو‘‘ اور تشریح اس طرح کی ہے کہ:

’’قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو باتیں ماننے کی ہیں وہ سچائی کے ساتھ مانی جائیں‘ جو کرنے کی ہیں وہ دیانت اور راست بازی کے ساتھ کی جائیں‘ نیز لوگوں کی برابر نگرانی رکھی جائے کہ وہ اس سے غافل اور منحرف نہ ہونے پائیں اور اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا جائے کہ اہل بدعت اس میں کوئی رخنہ نہ پیدا کر سکیں۔‘‘ (۲)

مولانا اصلاحی نے اقامت دین کی جو تشریح کی ہے اپنے حاصل مفہوم کے اعتبار سے وہی تشریح ہے جو شاہ ولی اللہؒ اور مولانا مودودیؒ نے کی ہے کہ دین صرف عقائد و اخلاق کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ماننے اور کرنے کی ساری چیزیں یعنی اصول و فروع اور جزئیات و کلیات سب شامل ہیں اور اس دین کو قائم رکھنے سے مراد خود بھی عمل کرنا ہے اور دوسروں سے بھی عمل کروانا ہے‘ لوگوں کو اس سے غافل اور منحرف ہونے سے بچانے کی کوشش کرنا بھی اقامت دین کے مفہوم میں شامل ہے اور دین کو اہل بدعت اور تجدد پسندوں کی رخنہ اندازیوں سے محفوظ رکھنا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

---

(۱) تفہیم القرآن‘ سورۃ الشوریٰ‘ حاشیہ ۲۰۔

(۲) تدبر قرآن‘ ج۷‘ ص ۱۵۳۔

میں نے جب صحاح اللغات' لسان العرب' مفردات القرآن اور القاموس المحیط کی طرف اس مضمون کے لکھنے کے موقع پر ایک مرتبہ پھر مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ ''قائم کرو'' کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے لیکن ائمہ لغت کی تصریحات اور عربی محاورات کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھنے والا ترجمہ ہے ''قائم رکھو اس دین کو''۔ قدیم مفسرین نے بھی اسی طرح کی تحقیق کی ہے اور جدید مفسرین کی غالب ترین اکثریت نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ لیکن قائم رکھنے کا مطلب بھی وہی ہے جو شاہ ولی اللہ ؒ' مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی نے بیان فرمایا ہے کہ پورے دین کو زندگی کا دستور العمل بناؤ۔ انفرادی زندگی سے تعلق رکھنے والے احکام کو بھی بالکل ٹھیک اور درست حالت میں برقرار رکھو اور دفاعی و جہادی یا عدالتی و معاشرتی شعبوں سے متعلق احکام و قوانین کو بھی بالکل ٹھیک اور درست حالت میں برقرار رکھو اور ان پر کما حقہ عمل درآمد کرو۔

قدیم مفسرین میں امام ابوالحسن ماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) نے ''اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ'' کی ہمہ پہلو تفسیر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

اعملوا به' ادعوا اليه' جاهدوا عليه من عانده[۱]

''اس دین پر عمل کرو' اس کی طرف دعوت دیتے رہو اور اس کے دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کرو۔''

دین کو قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے خود عمل کرنا ضروری ہے' پھر دوسروں کو دعوت دینا اور جہاد کرنا بھی دین کو قائم رکھنے کا لازمی تقاضی ہے۔ مذکورہ بحث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اقامت دین نہ صرف یہ کہ ایک دینی فریضہ ہے بلکہ یہ تو حقیقت میں اُمّ الفرائض ہے' لیکن ہمارے ایک فاضل بھائی لکھتے ہیں:

''اس معنی (قائم رکھو) کی رو سے صاف واضح ہے کہ یہ دین کے فرائض میں سے ایک فرض اور اس کے احکام میں سے ایک حکم نہیں ہے کہ اسے فریضۂ اقامت دین قرار دے کر فرائض دینی میں ایک فرض کا اضافہ کیا جائے' بلکہ یہ پورے دین کے متعلق ایک اصولی ہدایت ہے۔ ہر وہ چیز جو قرآن و سنت کی رو سے الدین میں شامل ہے آیۂ زیر بحث میں ہمیں اس کو اپنی زندگی میں برقرار رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے' لیکن اس لیے نہیں کہ یہ تمام یا ان میں سے کوئی حکم لفظ اَقِیۡمُوا کے مفہوم میں

(۱) تفسیر الماوردی' طبع بیروت ۱۹۹۲ء' ص ۱۹۷' ج۵۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\msl1-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 5 (1,1)

شامل ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ سب اَلدِّیْنَ میں شامل ہیں۔‘‘ (۱)

میں اس فاضل سکالر کو اتنا کم فہم یا کج فہم تو نہیں سمجھتا کہ وہ اقامت دین کو ایک دینی فرض اور ایک دینی حکم اس لیے قرار نہیں دیتا کہ دینی فرائض و احکام الدّین میں شامل ہیں، اَقِیْمُوْا کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ بات قائم رکھنے اور عمل کرنے کی ہو رہی ہے تو کیا عمل کرنا، درست اور برقرار رکھنا بھی اَقِیْمُوْا کے مفہوم میں شامل نہیں ہے؟ یہ مفہوم تو آپ نے خود بیان فرمایا ہے!

اگر اس نہج کا کوئی سکالر یہ کہے کہ پورے کے پورے اسلام پر عمل کرنا دینی فرض نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے فرائضِ دینی میں ایک فرض کا اضافہ کرنا ہے، اس لیے کہ اسلام کے احکام اُدْخُلُوْا کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں، یا کوئی دوسرا اُٹھ کر یہ نکتہ آفرینی کرے کہ اللہ کی رسّی کو مل کر تھامنا اور سارے مسلمانوں کا اس پر مجتمع ہونا دینی فرض نہیں ہے، اس لیے کہ ’’حَبْلُ اللّٰہِ‘‘ ’’وَاعْتَصِمُوْا‘‘ کے مفہوم میں شامل نہیں ہے، یا کوئی تیسرا شخص یہ کہہ دے کے نماز تو دینی فرض ہے مگر اقامت صلوٰۃ دینی فرض نہیں ہے، اس لیے کہ نماز صلوٰۃ کے مفہوم میں تو شامل ہے مگر اقامت کے مفہوم میں شامل نہیں ہے، تو ایسے سکالروں اور عربیت کے ماہرین کے متعلق معلوم نہیں ہمارے اس فاضل دوست کی رائے کیا ہوگی۔ انہوں نے خود اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کو اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کی مثال میں پیش فرمایا ہے۔ اگر اقامت صلوٰۃ اور اعتصام بحبل اللہ ان کے نزدیک فرض ہے، اور یقیناً فرض ہے، تو اقامت دین کیوں فرض نہیں ہے؟ مجھے تو اِن تینوں میں سوائے جزء اور کُل کے اور کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علامہ کے دل و دماغ پر کسی کی غلطی ثابت کرنا اور علم و تحقیق کے اعتبار سے اسے نیچا دکھانا سوار ہو چکا تھا مگر بات بنتی نہیں تھی، اس لیے از خود بنانی پڑ گئی۔ واللہ اعلم!

اظہارِ دین کا مفہوم

یہ بات تو واضح ہو گئی کی اقامت دین انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہے اور اسی وجہ سے اُمّت مسلمہ کے وجود کا مقصد بھی اقامت دین ہے، لیکن اس بات کی دوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ اُمّت مسلمہ کی تشکیل کا مقصد غلبۂ دین کے لیے جہاد کرنا ہے، اس لیے کہ اس کے نبی کی نبوت کا

---

(۱) برھان، طبع ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۔

مقصد اور حکمت غلبۂ دین ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت کی علت و حکمت درج ذیل آیات میں وضاحت و صراحت کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے متعین طور پر بتا دی ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبۃ:۳۳، الصفّ:۹)

''اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تا کہ غالب کر دے اسے ہر دین پر اگرچہ پسند نہ کرتے ہوں اسے مشرک۔''

اَلْهُدٰی سے مراد ہے قرآن کریم۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نازل ہوا تھا قرآن جو ہدایت ہے لوگوں کے لیے۔''

رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہدایت ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (الشوریٰ)

''اور یقیناً تو راہنمائی کرتا ہے لوگوں کی سیدھی راہ کی جانب۔''

گویا اَلْهُدٰی سے وحیٔ خداوندی مراد ہے خواہ جلی ہو یا خفی، اور دین حق سے مراد ہے زندگی کا سچا نظام، یعنی دین اسلام، اس لیے کہ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تو حق ہو نہیں سکتا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ''بے شک اللہ کے نزدیک تو الدّین (یعنی دین حق) صرف اسلام ہے''۔ دِیْنُ الْحَقِّ کے معنی اللہ کا دین بھی ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ الحق اللہ کا نام ہے اور سورۃ النصر میں اسلام کو ''دِیْنُ اللّٰه'' کہا بھی گیا ہے: ﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ (اور دیکھ لیا ہے تم نے لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں گروہ در گروہ) مگر اس سیاقِ کلام میں یہ معنی متبادر نہیں ہیں، اس لیے کہ هُوَالَّذِیْ میں جب اللہ کی ذات کا ذکر ہو گیا ہے تو اس کے بعد عربی مبین کے اسلوب کے مطابق ''و دینه'' ہونا چاہیے تھا، نام کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں پر موصوف کی اضافت ہے اپنی صفت کی جانب اور ترکیب اضافی ترکیب توصیفی کے معنوں میں ہے، یعنی دینِ حَق. اَلْهُدٰی کے بعد دین حق کا ذکر اِس حقیقت کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے کہ قرآن وسنت میں صرف عقائد اور اخلاقی احکام کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ زندگی کا پورا نظام بتایا گیا ہے۔ اس کے معنی کہیں یہ نہ سمجھ لیے جائیں کہ دین حق کوئی الگ چیز ہے۔ نہیں! دین حق الهُدی یعنی قرآن وسنت کا دوسرا نام ہے۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 6 (1,1)

لِیُظۡهِرَ میں لامِ تعلیل کا مفہوم یہ ہے کہ ہدایت اور دین حق کے ساتھ رسول بھیجنے کی علت وحکمت اور مقصد و ہدف اظہارِ دین ہے۔ ''اظہار'' باب افعال سے مصدر ہے جس کا ماخذ ہے ظہور' یعنی کھل جانا اور واضح ہو جانا' اور اظہار کے معنی ہیں ظاہر کرنا اور واضح کرنا' لیکن جب اَظۡهَرَ یُظۡهِرُ کے بعد علٰی کا حرف آ جائے تو عربی اسلوب کلام میں اس کے دو معنی آتے ہیں: ایک اطلاع دینا اور کسی چیز پر مطلع کرنا' جیسے: ﴿فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ﴾ کے معنی ہیں ''پس مطلع نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو' مگر اُس رسول کو جسے اس نے پسند کر لیا ہو اور چن لیا ہو (غیب پر مطلع کرنے کے لیے)''۔ اور دوسرے معنی آتے ہیں غالب کرنا' بلند کرنا اور اونچا کرنا۔ سیاقِ کلام کے ساتھ یہی معنی مناسب ہیں اور قدیم و جدید مفسرین نے بھی لِیُظۡهِرَهٗ کی تفسیر کی ہے ''لِیُعۡلِیَهٗ'' یعنی تا کہ اس دین کو غالب اور بلند کر دے۔

سورۃ التوبہ اور سورۃ الصّف کی مذکورہ آیات سے قبل اسلام کے دشمنوں کی ان پھونکوں کا ذکر ہوا ہے جن سے وہ اپنے خیال میں اسلام کے نور کو بجھانا چاہتے تھے' اور اللہ کے اس وعدے کا ذکر بھی ہوا ہے کہ اپنے دین کی روشنی کو پورا کرے گا' اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور وہ پھونکیں مارتے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ نے اپنا رسول اظہارِ دین کے لیے بھیجا ہے تو اس سیاق کلام کے ساتھ اظہار دین بمعنی اعلاء دین ہی مناسبت رکھتا ہے' اظہار دین بمعنی اطلاع دین اس سیاق میں مناسبت اور معنویت نہیں رکھتا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کون غالب کرے گا اور کسے غالب کرے گا؟ قواعد عربیت کے اعتبار سے بھی اور سیاقِ کلام کے اعتبار سے بھی لِیُظۡهِرَ کی ضمیر مرفوع مستتر رسول کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور معنی یہ بنتے ہیں کہ اللہ نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ رسول اس دین حق کو دوسرے ہر دین پر غالب کرے۔ اس پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ غالب کرنا اللہ کے اختیار میں ہے' رسول کے اختیار اور قدرت میں تو نہیں ہے' لیکن یہی سوال تو اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کے مفہوم پر اور ان سب آیات واحادیث کے مفہوم پر بھی کیا جا سکتا ہے جن میں افعال کی نسبت بندوں کی جانب کی گئی ہے یا جن میں بندوں کو کسی کام کا حکم دیا گیا ہے! ظاہر ہے کہ دین کو قائم کرنا اور قائم رکھنا تو اللہ کی قدرت میں ہے' تو انبیاء کو اور ان کی اُمتوں کو کیوں حکم دیا گیا ہے کہ دین کو قائم رکھو؟ لیکن مراد یہ ہے کہ دین کو قائم رکھنے کی کوشش کرو' اہتمام کرو اور عزم کرو۔ جب تم ارادہ کرو گے اور کوشش کرو گے تو اللہ تمہیں توفیق دے دے گا۔ اسی طرح دین کو غالب

اور بلند کرنے سے مراد ہے غالب کرنے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ نے غلبۂ دین اور اعلاء دین کے لیے ہر ممکن جدوجہد بھی کی اور قتال بھی کیا اور اللہ کی توفیق سے انہوں نے اسلام کو پہلے مرحلے پر عرب میں اور پھر دوسرے مرحلے پر عجم پر بھی غالب کر دیا۔ بعد کے ادوار میں جب مسلمانوں میں خرابیاں پیدا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے غلبۂ دین اور غلبۂ اہل دین کی نعمت واپس لے لی' لیکن اُمّت کا تا قیامت فرض وہی ہے جو اُن کے رسول کا تھا اور وہ یہ ہے کہ اظہار دین اور اعلائے دین کے لیے جہاد کرتے رہو۔

حقیقت یہ ہے کہ دین غالب کرنے سے مراد غلبۂ دین کے لیے جہاد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصّف میں ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کا ذکر آیا ہے اور تینوں کا اصل موضوع جہاد و قتال ہے۔ سورۃ التوبہ میں اس آیت سے قبل مشرکین عرب اور اہل کتاب دونوں کے خلاف جہاد کا ذکر ہے اور سورۃ الفتح میں زیر بحث آیت سے قبل صلح حدیبیہ کا ذکر ہوا ہے جسے قرآن نے فتح مبین کہا ہے اور اس کے بعد مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح کی بشارت دی گئی ہے۔ اسی طرح سورۃ الصّف میں بھی زیر بحث آیت کے بعد جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے اور فتح قریب کی بشارت دی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تینوں مقامات پر آیۂ زیر بحث کے سیاق وسباق سے ثابت ہوتا ہے کہ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کا مطلب ہے ''تاکہ وہ رسول دین حق کو غالب کرنے کے لیے جہاد کرے''۔ جہاد و قتال کے معنی ہی یہ ہیں کہ اعلاء کلمۃ الحق اور اظہارِ دین کے لیے جدوجہد کی جائے اور جنگ لڑی جائے۔ لفظ لِیُظْھِرَ کی ضمیر مرفوع کا مرجع رسولہ کو قرار دینے کی ایک وجۂ ترجیح یہ بھی ہے کہ یہ لفظ ضمیر کے زیادہ قریب ہے۔

مولانا مودودیؒ نے آیت کی یہی تشریح کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''بعثت رسول ﷺ کی غرض اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کے لیے نہیں ہوئی کہ جو نظامِ زندگی لے کر وہ آیا ہے وہ کسی دوسرے نظامِ زندگی کا تابع اور اس سے مغلوب بن کر اور اس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائش میں سمٹ کر رہے' بلکہ وہ بادشاہِ ارض وسما کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظامِ حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔''(۱)

---

(۱) تفهيم القرآن' سورة التوبة' حاشيه ۲۲۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\msll-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 7 (1,1)

لیکن اکثر قدیم وجدید مفسرین نے آیت کی جو تفسیر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک لِیُظۡهِرَہٗ کی ضمیر مرفوع کا مرجع اللہ ہے اور ضمیر منصوب کا مرجع دین حق ہے' اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اپنا رسول ﷺ ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ یعنی اللہ اپنے دین کو دوسرے ہر دین پر غالب کر دے۔ لیکن اس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تکوینی اور غیبی قوت سے اس دین کو غالب کرے گا۔ اگر مطلب یہ ہوتا تو پھر رسول کا ذکر آیت میں نہ کیا جاتا' بلکہ یوں کہا جاتا کہ اللہ نے دین حق نازل کیا ہے تاکہ وہ اسے غالب کر دے۔ لیکن آیت میں غلبہ دین کا ذکر ارسالِ رسول کی حکمت اور علت کے طور پر کیا گیا ہے' جس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ اپنے دین کو اپنے رسول کے جہاد کے نتیجے میں غالب کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ زیر بحث آیات کے سیاق وسباق میں جہاد وقتال کا ذکر ہوا ہے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرتا ہے انہی اسباب کے پردے میں کرتا ہے۔ اسباب میں وہی تأثیر ڈالتا ہے اور انہیں نتیجہ خیز بنا دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ معجزے اور کرامت کے طور پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ اسباب اور قانونِ فطرت (نیچر) سے بالا بالا اپنی تکوینی طاقت کے ذریعے بھی کام کرتا ہے اور کرتا رہا ہے' اس لیے کہ وہ تو اسباب اور نیچر کا محتاج نہیں ہے' بلکہ اسباب اور نیچر اس کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کے محتاج ہیں' لیکن اللہ کی عام سنت یہی ہے کہ وہ اسباب پر ان کے فطری نتائج مرتب کرتا ہے اور کام ہو جاتا ہے۔ قرآن وسنت میں ایسے کاموں کی نسبت اللہ کی جانب بھی کی گئی ہے' اس لیے کہ اِن کاموں کا فاعلِ حقیقی وہی ہے اور بندوں کی جانب بھی کی گئی ہے' اس لیے کہ یہ کام اللہ نے بندوں کی کوششوں کے نتیجے میں کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر وتاویل اور پہلی تاویل وتوجیہہ دونوں کے اعتبار سے آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان ہوا ہے کہ وہ دین حق کو اپنی جدوجہد کے ذریعے غالب کر دیں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی جدوجہد میں اثر ڈال کر دین حق کو غالب کر دے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت غلبہ دین کے لیے جدوجہد کا ماخذ ہے۔ اگرچہ غلبہ دین کے لیے جدوجہد کا ماخذ وہ تمام آیات واحادیث بھی ہیں جن میں جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا ہے لیکن یہ آیت بھی ایک ماخذ ہے جس میں غلبہ دین کو بعثتِ رسولؐ کی علت اور مقصد قرار دیا گیا ہے۔ لیکن وہی سکالر جو اقامت دین کو فریضہ نہیں سمجھتے' ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''آیت کے معنی ہم اس طرح بیان کریں گے: ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو

ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ یعنی اللہ اس دین کو سرزمین عرب کے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ یہ بات ان مشرکین کو کتنی ہی ناگوار ہو"۔ قواعد عربیت اور نظائر قرآن کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہی ہوسکتا ہے اور اس ترجمے سے واضح ہے کہ غلبۂ دین کے لیے اب کسی شخص کی جدوجہد کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا حکم لاریب نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ حضور ﷺ کے بعد اب قیامت تک کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس آیت کے حکم اور اس کے مقتضیات ولوازم کا کوئی تعلق اپنی ذات یا اپنی جدوجہد کے ساتھ قائم کرے۔"(۱)

ہمارے اس "ماہر عربیت" دوست کی جو تحریریں میری نظر سے گزری ہیں ان سے میں نے ان کی عادت اخذ کی ہے کہ یہ حضرت اپنے فہم سے ایک بات خوبصورت الفاظ میں کہہ دیتے ہیں اور پھر اپنی حتمی رائے سنا دیتے ہیں کہ قواعد عربیت کے لحاظ سے یہی بات صحیح ہے۔ یہاں پر بھی انہوں نے فرمایا ہے:

"عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ چونکہ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ کا معطوف علیہ ہے اور الْمُشْرِکُوْنَ کی تعبیر قرآن مجید میں ہمیشہ مشرکین بنی اسماعیل ہی کے لیے اختیار کی جاتی ہے اس وجہ سے الدین کا الف لام عربیت کی رو سے لازماً عہد کے لیے ہے۔ چنانچہ تمام ادیان سے یہاں سرزمین عرب کے تمام ادیان مراد ہیں"۔(ایضاً)

سردست تو میں ان کے اس ادّعا کو نظر انداز کرتا ہوں کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ قرآن میں الْمُشْرِکُوْنَ کا لفظ بنی اسماعیل ہی کے مشرکین کے لیے اختیار کیا جاتا ہے' اور درج ذیل امور پر توجہ سے غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

اظہارِ دین واعلاءِ دین کو آیت میں ارسالِ رسول کی علت قرار دیا گیا ہے' یعنی اللہ نے اپنا رسول بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ دین حق کو غالب کرے۔ تو کیا اس نے اپنا یہ رسول صرف سرزمین عرب کے لیے بھیجا تھا یا پوری دنیا کے لیے بھیجا تھا؟ اس آیت میں تو اس بات کی تصریح کیا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ دین حق صرف ادیانِ عرب پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے' دنیا کے تمام ادیان پر غلبہ پانا اس دین کا اصل مقصد نہیں ہے۔ اس آیت کے سیاق وسباق اور قرآن کے نظائر سے تو صاف نظر آرہا ہے کہ الدّین **کلّہ** میں الف لام جنس کے لیے ہے یا استغراق کے لیے ہے اور مراد دنیا کے سارے ادیانِ باطلہ ہیں' صرف عرب کے ادیان مراد نہیں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کشمکش کا آغاز سرزمین عرب پر ہوا تھا اور

(۱) برھان' ص ۱۲'۳۱۔

اسلام کو پہلے مرحلے پر غلبہ بھی سرزمین عرب میں حاصل ہوا تھا۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ''وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ'' میں بنو اسماعیل ہی کے مشرکین مراد ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو دینِ حق کا غلبہ کیوں ناگوار تھا؟ جواب یہی ہو سکتا ہے کہ اس دین کا بنیادی عقیدہ توحید ہے جو مشرکین پر سخت ناگوار گزرتا ہے خواہ عرب کے مشرکین ہوں یا عجم کے۔ مشرک جہاں بھی ہو توحید کا غلبہ اسے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ: ﴿کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط﴾ یعنی ''بڑا ناگوار ہے مشرکین پر وہ دین جس کی طرف تو اُن کو بلاتا ہے''۔ بہرحال لفظ اَلْمُشْرِکُوْنَ کو اس دعوے کا قرینہ اور دلیل قرار دینا کہ الدّین کلّہ سے عرب ہی کے ادیان مراد ہیں' محض تکلف اور تصنع ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ سرزمین عرب میں دینِ حق کو غلبہ کیا جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا یا اللہ نے اپنی تکوینی قوت سے غالب کیا تھا اور رسول و اصحابِ رسول کی جدوجہد کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا؟ اگر اللہ نے جدوجہد کے نتیجے میں دین کو غلبہ دیا تھا تو پھر کیا رسول ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جدوجہد اُمّت مسلمہ کے لیے اُسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ اگر ہے' اور یقیناً ہے' تو پھر آپ کی اس بات کی کیا توجیہہ ہے کہ یہ حکم نبیؐ اور صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اب قیامت تک کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس آیت کے حکم کا کوئی تعلق اپنی جدوجہد کے ساتھ قائم کرے؟ ؏ ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے؟

جو بات صحیح ہے وہ صرف اتنی ہے کہ رسولؐ اور اس کے رفقاء کی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ نے عرب میں اسلام غالب کیا تھا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پاکستان میں بھی کسی جدوجہد کے نتیجے میں اسلام ضرور غالب ہوگا۔ جدوجہد فرض ہے اور اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہے۔

(۳) اُمّت مسلمہ کی نمائندہ حکومت کا مقصد بھی اقامت دین ہے

اُمّت مسلمہ کے وجود کا مقصد تو متعین ہو گیا کہ شہادتِ حق' بھلائی کا پھیلانا' برائی کا مٹانا' اظہارِ دین و اعلاءِ دین کے لیے جدوجہد کرنا اور اقامتِ دین کا فریضۂ جامعہ ادا کرنا اِس عالمی اسلامی جماعت کا فرضِ منصبی اور مقصدِ وجود ہے' اس لیے کہ اس کے قائد محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصدِ بعثت یہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اُمّت کی منتخب کردہ اور اس کی نمائندگی کرنے والی حکومت کی تشکیل کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس کا مقصد صرف امن و امان

قائم کرنا‘ ریاست کے شہریوں کو متحد رکھنا‘ ان کو سہولتیں بہم پہنچانا‘ ان کی زندگی کے معیار کو بلند کرنا اور ملک کا دفاع کرنا ہے یا اُس کا اصل فریضہ کچھ اور ہے جو اُس کو دوسری حکومتوں سے ممتاز کرتا ہے؟

اس سوال کا جواب بڑا آسان ہے‘ اس لیے کہ اسلامی حکومت اُمّت مسلمہ کی وکالت اور نمائندگی کرتی ہے تو جو مقصد اُمّت کا ہے وہی مقصد اسلامی حکومت کا بھی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں اقامتِ دین کا جو حکم انبیاء اور اُمّت مسلمہ کو دیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی خلافت اور اُمّت مسلمہ کی وکالت کرنے والی اسلامی حکومت کا مقصد وجود بھی یہی اقامت دین ہے جو ایک فریضۂ جامعہ ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں اس بہترین اُمّت کے برپا کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ معروف کا حکم دے گی اور منکر سے روکے گی۔ اسلامی حکومت کا بھی یہی فرضِ منصبی ہے جو اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱﴾ (الحج)

’’یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر قوت واقتدار دے دیں ہم اُن کو زمین میں تو وہ نماز قائم کریں گے‘ زکوٰۃ دیں گے‘ بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے‘ اور اللہ ہی کے لیے ہے انجام تمام کاموں کا۔‘‘

اس آیت سے متصلاً قبل دو آیتوں ۳۹ اور ۴۰ میں قتال کی اجازت دی گئی ہے جو دَورِ مکی میں نہیں تھی‘ اور قتال کا یہ مقصد بتایا گیا ہے کہ ظلم وفساد کا مٹانا اور عدل وصلاح کا نظام قائم کرنا قتال فی سبیل اللہ کا اصل مقصد ہے۔ اور اس کے بعد درج بالا آیت نمبر ۴۱ میں قتال کے نتیجے میں جو حکومت بنے گی اس کے منشور کا چار نکاتی پروگرام بیان کیا گیا ہے‘ یعنی اقامتِ صلوٰۃ‘ ایتاءِ زکوٰۃ‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

ان تین آیات کو ملا کر پڑھنے سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جہاد وقتال کا مقصد لوگوں کو جبر واکراہ کے ذریعے مسلمان بنانا نہیں ہے‘ بلکہ ظلم وفساد کے نظام کو مٹانا اور عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اسلامی حکومت جہاد وقتال کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اور تیسری بات یہ واضح ہوگئی کہ اسلامی حکومت کا مقصدِ وجود اقامتِ دین ہے‘ اس لیے کہ درج بالا آیت میں جو فرائض اربعہ بیان ہوئے ہیں وہ اقامت دین کے فریضۂ جامعہ میں شامل ہیں اور اس کلیۂ واحدہ کی جزئیات ہیں۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\msl1-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 9 (1,1)

اسلامی حکومت کا یہی مقصد رسول اللہ ﷺ نے بھی وضاحت وصراحت کے ساتھ متعین کر دیا ہے:

((اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ فِیْ قُرَیْشٍ لَا یُعَادِیْھِمْ اَحَدٌ اِلَّا کَبَّہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْھِہٖ مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ)) (۱)

''یہ اقتدار قریش میں رہے گا' جو بھی اس بارے میں ان سے دشمنی کرے گا تو اس کو اللہ اوندھے مُنہ آگ میں ڈال دے گا' جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے۔''

قریش کو چونکہ جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی لوگوں کا زیادہ اعتماد حاصل تھا اور حکومت مسلمانوں کی اسی جماعت کو دی جا سکتی ہے جس کو اکثریت کا اعتماد حاصل ہو' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ امامت وقیادت قریش میں رہے گی مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دین کو قائم رکھیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عامۃ الناس کی معتمد ومنتخب حکومت بھی اگر اقامت دین کا فرض ادا نہ کرے تو شرعاً وہ حکومت بالحق نہیں ہوگی اور اس کو برسرِاقتدار رہنے کا کوئی دینی استحقاق حاصل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ نے '' مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ'' کی تشریح اس طرح کی ہے: ای مدۃ اقامتھم امور الدین (یعنی ان کو حکومت کرنے کا حق اُسی وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ دینی امور کو قائم رکھیں گے۔)

مسند احمد میں انس بن مالکؓ اور ابو برزہ اسلمیؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک انصاری کے گھر میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

((اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْکُمْ مَا اِنِ اسْتُرْحِمُوْا فَرَحِمُوْا وَاِنْ عَاھَدُوْا اَوْفُوْا وَاِنْ حَکَمُوْا عَدَلُوْا فَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ مِنْھُمْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۲)

''امراء قریش میں سے ہوں گے۔ ان کا تم پر اطاعت کا حق ہے بشرطیکہ جب اُن سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم کریں' جب وہ وعدہ کریں تو اسے پورا کریں اور جب وہ فیصلہ کریں تو عدل وانصاف سے کریں۔ اور ان میں سے جو ایسا نہیں کرے گا تو اس پر اللہ' اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔''

ظاہر بات ہے کہ لعنتی امیر اللہ کے عذاب کے طور پر بالفعل امیر تو ہو سکتا ہے مگر بالحق

(۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب و کتاب الاحکام۔

(۲) الفتح الربانی' ص ۶'۷' ج ۲۳۔

امیر نہیں ہوسکتا کہ اسے الجماعۃ کہا جاسکے اور اس کی اطاعت و وفاداری کو التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم قرار دیا جاسکے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِسْتَقِیْمُوْا الْقُرَیْش مَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاِذَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَضَعُوْا سُیُوْفَکُمْ عَلٰی عَوَاتِقَکُمْ فَاَبِیْدُوْااخَضْرَاءَ ھُمْ فَاِذَا لَمْ تَفْعَلُوْا فَکُوْنُوْا زَارِ عِیْنَ اَشْقِیَاءَ تَاْکُلُوْا مِنْ کَدِّ اَیْدِیْکُمْ))(۱)

''تم قریش کی اطاعت پر قائم رہو جب تک کہ وہ تمہارے لیے حق پر قائم رہیں۔ جب وہ ایسا نہ کریں تو پھر تم اپنی تلواریں کاندھوں پر رکھو اور اُن کے سر برآوردہ لیڈروں کو ہلاک کردو' اور جب تم ایسا نہ کرسکو تو بدنصیب کاشتکار بن جاؤ اور اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کر کھاؤ''۔

یعنی اگر تم اس نااہل حکومت کا تختہ الٹنے کی طاقت نہ رکھتے ہو یا باوجود طاقت کے یہ کام کرنا نہ چاہتے ہو تو پھر ذلت اور بدنصیبی کی زندگی گزارو اور اپنے دن پورے کرو۔ حافظ نورالدین ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔(۲)

البتہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے' اس لیے کہ سالم بن ابی الجعد کا سماع ثوبانؓ سے ثابت نہیں ہے' لیکن اسی مضمون کی حدیث طبرانی نے نعمان بن بشیرؓ سے بھی نقل کی ہے۔(۳)

یہ حدیث مسند احمد میں بھی نقل ہوئی ہے لیکن تلواریں اٹھانے والا حصہ اس میں موجود نہیں۔(۴)

حافظ ابن حجر نے ابن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس میں فرمایا تھا:

اِنَّ ھٰذَا الْاَمَرَ فِیْ قُرَیْشٍ مَا اَطَاعُوا اللّٰہَ وَاسْتَقَامُوْا عَلٰی اَمْرِہٖ(۵)

---

(۱) المعجم الصغير للطبراني بتحقيق محمد شكور' ص ١٣٤' ج١۔

(۲) مجمع الزوائد' ص ١٩٥' ج٥۔

(۳) فتح الباری' كتاب الاحكام' ص ٢٣٤' ج١٦۔

(٤) الفتح الربانی' ص ٢٧٦' ج ٢٣۔

(٥) فتح الباری' ص ٣٣٢' ج ١٦۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ma11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 10 (1,1)

’’حکومت قریش میں رہے گی جب تک کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے دین پر قائم رہیں۔‘‘

مذکورہ دلائل سے یہ بات بغیر کسی ابہام واشتباہ کے واضح ہوگئی کہ اُمّت مسلمہ کی نمائندہ حکومت کا مقصد وہی ہے جو اُمّت کا مقصد وجود ہے اور جو محمد رسول اللہﷺ کا مقصد بعثت ہے‘ اور وہ ہے اقامت دین۔ چونکہ اسلامی حکومت یہی فرض انجام دیتی ہے‘ اس لیے اس کا اصطلاحی نام خلافت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے خلافت کی تعریف اور اس کے فرائضِ منصبی اس طرح بیان کیے ہیں:

> ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام و القیام بالجھاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطاء ھم من الفیئ والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنھی عن المنکر نیابة عن النبیﷺ(۱)

> ’’خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین کے لیے عملاً متوجہ رہتی ہو‘ (اور دین کو قائم رکھنے کے لیے) دینی علوم کی اشاعت اور احیاء کا فرض انجام دیتی ہو‘ ارکانِ اسلام (نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج) کو قائم رکھتی ہو‘ جہاد اور اس سے متعلقہ امور کے لیے کمربستہ اور تیار رہتی ہو‘ مثلاً فوجوں کو منظّم رکھنا‘ ان کو تنخواہیں دینا اور مالِ فئے میں ان کی اعانت کرنا‘ عدالتی نظام قائم رکھتی ہو‘ شرعی سزائیں قائم کرتی ہو‘ مظالم کا خاتمہ کرتی ہو‘ نیکی کا حکم دیتی ہو اور برائی سے روکتی ہو اور یہ سارے فرائضِ ریاست وہ نبیﷺ کی نیابت کے طور پر انجام دیتی ہو۔‘‘

شاہ صاحبؒ نے جو آٹھ فرائض بیان کیے ہیں یہ بھی کلیات ہیں جن کے تحت بہت سی جزئیات ہیں‘ لیکن اِن کلیاتِ ثمانیہ اور دوسرے فرائض پر مشتمل کلیۂ واحدہ اور فریضۂ جامعہ اقامت دین ہے۔ شاہ صاحب آگے فرماتے ہیں کہ مذکورہ سارے فرائض اصل میں فرائض نبوت ہیں جو رسول اللہﷺ نے بڑے احسن اور اکمل طریقے سے انجام دیے تھے‘ لیکن آپؐ کے انتقال کے بعد بھی اقامت دین مذکورہ تفصیل کے ساتھ واجب ہے اور اقامت دین موقوف ہے

---

(۱) ازالة الخفاء‘ ص ۲۔

ایسے شخص کے تقرر پر جو اِس کام کا اہتمام وانتظام کرے۔بس یہی شخص خلیفہ اور امیر ہوتا ہے۔[1]

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) نے بھی فرمایا ہے کہ اسلامی حکومت کے بغیر دین کو قائم اور برقرار نہیں رکھا جا سکتا: بل لا قیام لِلدّین اِلّا بہا.[2]

سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ جس کو آیتِ خلافت کہا جاتا ہے' اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ خلافت یعنی اسلامی حکومت اللہ کی نعمت ہے جس کے ذریعے دینِ اسلام کو تمکن اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے' امن وامان قائم ہوتا ہے اور اندرونی و بیرونی دشمنوں کے حملوں کا خوف وخطرہ باقی نہیں رہتا۔اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس خلافت کے نظام میں لوگ اللہ ہی کی بندگی کرتے ہیں اور مشرکانہ نظام ختم ہو جاتا ہے۔یہی خلافت اور اسلامی حکومت الجماعۃ ہے جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی اطاعت و وفاداری اور جس کا التزام دین کا حکم ہے' جس سے الگ ہونا جاہلیت ہے اور اسلام کا قلادہ گردن سے اتارنا ہے۔

(جاری ہے)

---

(۱) ازالۃ الخفاء' ص ۳۔

(۲) السیاسۃ الشرعیۃ' ص ۱۷۲' ۱۷۳۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 11 (1,1)

التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم

تحریر: مولانا گوہر رحمٰنؒ

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۴) الجماعۃ سے مراد وہ حکومت ہے جو اقامت دین کا فرض انجام دیتی ہو

مذکورہ عنوانات کے تحت جو بحث کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُمّت مسلمہ کا مقصدِ وجود بھی اقامت دین ہے اور اس اُمّت کی معتمد و منتخب حکومت کا مقصد وجود بھی اقامت دین ہے۔ اس بحث سے یہ بات بھی از خود ایک منطقی نتیجے کے طور پر سامنے آ گئی ہے کہ الجماعۃ سے مراد مطلقاً کوئی حکومت نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد وہ حکومت ہے جو اقامت دین کا فرض انجام دیتی ہو۔ اور التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم اسلامی حکومت کی اطاعت کرنا ہے' لیکن اگر اسلامی حکومت موجود ہی نہ ہو تو پھر اس کے لیے منظّم اور اجتماعی جدوجہد کرنا ایک دینی فریضہ ہے۔ اور جو جماعتیں اسلامی حکومت برائے اقامت دین کے لیے دین و شریعت اور سنت رسولؐ و سنتِ اصحابِ رسولؐ کے اصول و ہدایت کے مطابق کام کر رہی ہوں ان میں سے جس پر زیادہ اعتماد ہو اس میں شمولیت اختیار کرنا اور اس کے نظم کا التزام کرنا جدوجہد برائے غلبۂ دین و اقامتِ دین کا لازمی تقاضا ہے۔

بعض سکالر جو یہ کہتے ہیں کہ کفر بواح کی مرتکب حکومت بھی اس وقت تک الجماعۃ ہوتی ہے جب تک کہ اسے عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہو اور مسلمان رعایا اُس پر مجتمع ہو' اور اس کے قوانین کی اطاعت و وفاداری التزام جماعت ہے' اگرچہ وہ عملاً قرآن و سنت کی بالادستی سے منحرف ہو چکی ہو اور ملک کا نظام سیکولرازم کے اصولوں کے مطابق چلا رہی ہو' ان سکالروں سے میری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں۔ ''الجماعۃ'' کا اطلاق آخر اس حکومت پر کیسے ہو سکتا ہے جو قرآن و سنت کی بالادستی کو عملاً تسلیم نہ کرتی ہو' فیصلے مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ کے خلاف کرتی ہو' بھلائی کے کاموں کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہو اور برائی کو فروغ دے رہی ہو' حدود اللہ اور شعائر اللہ کا مذاق اڑا رہی ہو اور اسلام کی دشمن طاغوتی قوتوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہو؟ میری رائے تو یہ ہے کہ ایسی حکومت کو الجماعۃ کہنا اس دینی اور شرعی

اصطلاح کی توہین ہے' ایک سیکولر حکومت کو دینی جواز فراہم کرنا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس کو مسلمانوں نے منتخب کیا ہے تو مسلمانوں نے اگر دھوکے اور فریب میں آ کر یا مفاد پرستی اور خودغرضی کی وجہ سے یا اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے ایسے لوگوں کو منتخب کر لیا ہو جو اقامت دین کا فریضہ انجام دینے کی بجائے طاغوتی اور غیر اسلامی نظام چلا رہے ہوں تو صرف اکثریت کا ووٹ حاصل کرنے سے تو الطاغوت کو الجماعۃ نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام کے سیاسی نظام میں اسلامی حکومت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی معتمد ہو اور مسلمانوں کی رائے سے بنی ہو' اور یہ بھی لازمی شرط ہے کہ وہ اسلام کے معیارِ اہلیت کی کم از کم شرائط پر پوری اترتی ہو اور ریاست کا نظام قرآن وسنت کے مطابق چلاتی ہو۔ اصل معیاری صورت تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ بھی علم و عمل کے اعتبار سے اپنے دَور میں ایک ممتاز مسلمان ہو۔ لیکن اگر شخصی کردار و عمل کے لحاظ سے اس کے اندر کچھ خرابیاں اور کمزوریاں موجود ہوں مگر جب تک ریاست کا نظام شریعت کے مطابق چلا رہا ہو تو شخصی خرابیوں کے باوجود اُس کی حکومت اسلامی حکومت ہو گی اور اس کی اطاعت فی المعروف شرعاً ضروری ہو گی' البتہ حکمران کی شخصی خرابیوں کے ازالے اور اصلاح کے لیے نقد و احتساب اور نصیحت کا فرض ادا کرنا بھی ضروری ہو گا۔

سمع و طاعت اور التزام جماعت کے بارے میں قرآن وسنت کی نصوص کا تعلق اسلامی حکومت سے ہے' سیکولر حکومت کے ساتھ اِن نصوص کا کوئی تعلق نہیں ہے' خواہ جمہوری ہو یا آمرانہ۔

عَنْ اُمِّ الْحُصَیْنِ اَنَّھَا سَمِعَتُ النَّبِیَّ ﷺ یَخْطُبُ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ وَھُوَ یَقُوْلُ: ((وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا)) [۱] وَفِیْ رِوَایَۃٍ : ((مَا اَقَامَ فِیْکُمْ کِتَابَ اللّٰہِ)) [۲]

''اُمّ الحصینؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حجۃ الوداع کے دوران اپنے خطاب میں فرما رہے تھے: ''اگر تم پر ایک غلام بھی امیر بنا دیا گیا ہو جو تمہاری قیادت اور امارت اللہ کی کتاب کے مطابق کر رہا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔'' دوسری روایت میں آیا ہے کہ: ''جب تک کہ تمہارے درمیان اللہ کی

(۱) الفتح الربانی ' ص ٤٤' ج ٢٣ ۔
(۲) فتح الباری' کتاب الاحکام' ص ۲۲۸' ج ١٦ ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 12 (1,1)

کتاب قائم رکھتا ہو‘‘۔

التزامِ جماعت اور سمع وطاعت کے بارے میں یہ رسول اللہﷺ کی آخری ہدایت ہے جو آپؐ نے اپنی اُمّت کو دی ہے۔ اس ہدایت میں دو باتوں کی تاکید کی گئی ہے‘ ایک یہ کہ اجتماعی نظام قائم رکھو‘ اگر امیر تم کو طبعاً پسند نہ بھی ہو‘ مثلاً وہ غلام ہو پھر بھی اس کی اطاعت کرو‘ تاکہ مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا نہ ہو اور اُمّت کی وحدت برقرار رہے‘ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ حکومت کا نظام قرآن کے مطابق چلا رہا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حکومت قرآن وسنت کی بالادستی تسلیم نہیں کرتی اور ملک کا نظام لادین سیاست کے اصولوں کے مطابق چلا رہی ہے تو درج بالا حدیث کا اور اس مضمون کی دوسری احادیث کا ایسی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل ؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہﷺ! اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو گئے جو نہ آپؐ کی سنت کی پیروی کرتے ہوں اور نہ آپؐ کے حکم پر عمل کرتے ہوں تو ایسے حکمرانوں کے بارے میں آپؐ کا حکم کیا ہے؟ تو آپﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَنْ لَمْ يُطِعِ اللّٰهَ)) (۱)

’’جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اس کی کوئی اطاعت نہیں (تم بھی اس کی اطاعت نہ کرو)۔‘‘

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ ’’جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی‘‘۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

فان کل من یامر بحق و کان عاد لا فھو امیر الشارع لا نہ تولی بامرہ وبشریعتہ(۲)

’’جو امیر حق کے مطابق حکم دیتا ہے اور وہ عادل بھی ہے تو وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرر کردہ امیر کی طرح ہے‘ اس لیے کہ وہ شارع کے حکم اور ان کی شریعت کے مطابق امیر بنا ہے۔‘‘

یعنی جب حکمران نبیﷺ کی نیابت میں کام کرتا ہے تو اس کی اطاعت منوب عنہ کی اطاعت ہے۔ اس لیے رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ’’جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الفتن۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الفتن

اطاعت کی‘‘۔لیکن جب حکمران قرآن وسنت کی بالا دستی تسلیم نہیں کرتا اور شریعت محمدیؐ سے آزاد ہوکر حکومت کر رہا ہے تو اس کی اطاعت آخر کس بنیاد پر نبی کریم ﷺ کی اطاعت سمجھی جائے گی؟

یہ درست ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ امیر تمہیں پسند ہو یا ناپسند' اس کا حکم تمہاری رائے یا طبیعت و مزاج کے مطابق ہو یا نہ ہو' وہ اگر تم پر دوسروں کو ترجیح دے رہا ہو یا تمہارے حقوق ادا نہ کر رہا ہو' جیسی بھی صورت حال ہو تم اس کی اطاعت کرو اور مسلمانوں کی اجتماعت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔لیکن ایک تو ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلح بغاوت نہ کرو' بلکہ دوسرے ذرائع سے ایسے امیر کی اصلاح یا پھر اس کو بدلنے کے لیے کوشش کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ احادیث اس حکومت کے بارے میں ہیں جو ملک کا نظام شریعت کے مطابق چلا رہی ہو اور اس کی ریاست میں قرآن وسنت کی بالا دستی عملاً تسلیم کی جاتی ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس مضمون کی احادیث کا تعلق ذاتی اور شخصی حقوق سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر حکمران تم پر ذاتی طور پر ظلم بھی کر رہا ہو مگر جب ملک میں شریعت نافذ ہے تو تم صبر کرو اور اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔آخر اِن احادیث کا یہ مطلب کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت سے باغی اور منحرف سیکولر حکومت بھی الجماعۃ ہے اور اس جماعت کا التزام تقاضائے شریعت ہے؟

یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھنے والی احادیث ایک دوسری کی تشریح کرتی ہیں۔اس قاعدے کی رو سے وہ تمام احادیث جن میں اطاعت امیر کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وہ اقامت دین کا کام کر رہا ہو اور شریعت کی بالا دستی کو عملاً تسلیم کرتا ہو' ان تمام احادیث کی تشریح کرتی ہیں جن میں یہ قید موجود نہیں ہے۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا کہ:

’’جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت برابر بھی باہر نکلا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔‘‘ (۱)

اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

’’جو شخص الجماعۃ سے بالشت برابر بھی الگ ہوا تو اس کی موت جاہلیت پر ہوگی۔‘‘(۲)

تو دوسری آیات واحادیث کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ان دونوں حدیثوں کا مفہوم

---

(۱) فتح الباری' ص ۱۱۲' ج ۱۲۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 13 (1,1)

ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی اطاعت سے باہر نکلنا اور اسلامی حکومت پر مجتمع ہونے والے مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا جاہلیت ہے' اور وہ بھی اس صورت میں جب اس کے خلاف مسلح بغاوت کی جائے۔ جیسا کہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ''خروج من السلطان'' کنایہ ہے جنگ کرنے سے: وھی کنایة عن معصیة السلطان و محاربته [1]

لیکن اگر دوسری احادیث سے صرف نظر کر کے ان دو احادیث پر غور کیا جائے تو سلطان سے مطلق حکومت مراد لے لی جائے گی خواہ وہ کفر بواح کی مرتکب ہو' یا فسق کی مرتکب ہو یا وہ عادل حکومت ہو۔

(۵) قرآن وسنت کے التزام سے منحرف حکومت الجماعۃ نہیں' بلکہ طاغوت ہے

جو حکومت قرآن وسنت سے منحرف ہو اور اس کی مقنّنہ' عدلیہ اور انتظامیہ تینوں شریعت کی برتری اور بالادستی کا التزام نہ کرتے ہوں تو ایسی حکومت کو طاغوت کہا جاتا ہے جس کے بارے میں حکم خداوندی ہے کہ: ﴿وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ﴾ (النحل: ۳۶) ''طاغوت سے الگ ہو جاؤ''۔ تو وہ الجماعۃ کیسے ہو سکتی ہے جس کے بارے میں حکم رسولؐ یہ ہے کہ: ((عَلَیۡکُمۡ بِالۡجَمَاعَةِ)) ''جماعت کا التزام کرو''۔ آخر ایک ہی حکومت سے اجتناب اور اس کا التزام دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اللہ نے جب طاغوت سے اجتناب کرنے والوں کو خوشخبری سنائی ہے (الزمر: ۱۷) تو اس کا رسول طاغوت کے التزام کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ جب کلام اللہ میں طاغوت کی اطاعت کرنے والوں کو لعنتی' شیطان کے ساتھی اور بدترین لوگ قرار دیا گیا ہے (النساء: ۵۱' ۵۲' ۷۶ اور المائدۃ: ۶۰) تو کلام الرسول میں یہ حکم کیسے دیا جا سکتا ہے کہ اس کا التزام کرو اور اسی کے ساتھ چمٹے رہو! طاغوت کے پاس اپنے تنازعات اور معاملات فیصلہ کرانے کے لیے لے جانا تو منافقت اور ضلالت ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾﴾ (النساء)

''کیا تو نے دیکھا نہیں ہے ان لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں

---

(۱) الصحاح للجوھری ولسان العرب للافریقی۔

(۲) تفسیر ابن کثیر' سورۃ النساء۔

اُس کتاب پر جو اتاری گئی ہے تیرے پاس اور ان کتابوں پر بھی جو اتاری گئی تھیں تجھ سے پہلے' مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے تنازعات فیصلہ کرانے کے لیے لے جائیں طاغوت کے پاس' حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کی اطاعت سے انکار کریں' اور شیطان تو چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر حق سے دُور لے جائے''۔

اس آیت میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر طاغوت کے پاس اپنے تنازعات اور معاملات لے جانا منافقت ہے اور ضلال بعید ہے۔ تو آخر کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا رسول طاغوت کو الجماعۃ کے مفہوم میں شامل کر لے' اس کے التزام کا حکم دے اور اس سے الگ ہونے کو جاہلیت اور اسلام کا قلادہ گردن سے اتارنا قرار دے! ایسا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

طاغوت کا صحیح مفہوم

جس طرح التزامِ جماعت کا صحیح مفہوم جاننا ضروری ہے اسی طرح طاغوت کا صحیح مفہوم معلوم کرنا بھی ضروری ہے' تاکہ التزامِ جماعت التزام طاغوت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ طاغوت بروزن فعلوت کے معنی ہیں کثیر الطغیان' یعنی سرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانے والا۔ ائمۂ لغت نے لکھا کہ:

الطاغوت کل معبود من دون الله و کل راس فی الضلال[1]

''طاغوت وہ ہوتا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہو اللہ کے علاوہ اور جو ضلالت کا رئیس ہو۔''

قرآن وسنت کی بالادستی سے منحرف حکمران سے بڑا رئیسِ ضلالت اور کون ہوسکتا ہے؟ مشہور تابعی اور ابن عباسؓ کے شاگرد حضرت مجاہد بن جبر فرماتے ہیں:

الطاغوت الشیطان فی صورة انسان یتحاکمون الیه و هو صاحب امرهم[2]

''طاغوت شیطان کی شکل میں انسان ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنے تنازعات فیصلہ کرانے کے لیے لے جاتے ہیں اور وہ ان کا حکم اور صاحبِ امر ہوتا ہے۔''

ابن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) نے لکھا ہے کہ:

والصواب من القول فی الطاغوت عندی انه کل ذی طغیان علی الله فعبد من دونه اما بقهر منه لمن عبده و اما بطاعة ممن عبده له انسانا

---

(۱) تفسیر ابن جریر' سورة البقرة:۲۵٦۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:13 PM PAGE 14 (1,1)

کان او شیطانا[1]

''میرے نزدیک طاغوت کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں ہر سرکشی کرنے والا طاغوت ہوتا ہے جس کی اللہ کے علاوہ اطاعت کی جاتی ہو' خواہ اس نے جبراً لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کیا ہو یا لوگ اپنی خوشی سے اس کی اطاعت کرتے ہوں' خواہ وہ انسان ہو یا شیطان (جن) ہو۔''

طاغوت کے صحیح مفہوم کے بعد یہ سوال غیر متعلق بن جاتا ہے کہ حکومت کو عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہے یا نہیں؟ اور مسلمان رعایا اس کی حکومت پر مجتمع ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ جو حکومت بھی اللہ و رسول کے احکام سے انحراف اور بغاوت اختیار کرلے وہ طاغوت کی تعریف میں شامل ہو جاتی ہے' خواہ وہ استبدادی بادشاہت اور آمریت ہو یا فوجی ڈکٹیٹر شپ ہو اور خواہ وہ جمہوری طریقے سے منتخب حکومت ہو یا احبار و رُہبان کی پاپائیت اور تھیوکریسی ہو۔ اس تحقیق کی روشنی میں دیکھا جائے تو پاکستان کی موجودہ حکومت طاغوت ہے' الجماعۃ نہیں ہے' اور اس کی خیر خواہی اور وفاداری کا التزام طاغوت کا التزام ہے' التزامِ الجماعۃ نہیں ہے' اس لیے کہ یہ حکومت نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت کا التزام نہیں کرتی بلکہ حدود اللہ اور شعائر اللہ کا مذاق اڑاتی ہے۔ اگرچہ پاکستان کا آئین اپنی بنیادی دفعات کے اعتبار سے اسلامی آئین ہے لیکن حکومت غیر اسلامی ہے جو قرآن وسنت اور ملکی آئین دونوں سے منحرف ہو چکی ہے۔ اگرچہ یہ حکومت بالفعل ہے مگر حکومت بالحق نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو بھی الجماعۃ قرار دے کر اس کی وفاداری اور خیر خواہی کو تقاضائے شریعت قرار دیتے ہیں وہ ایک طاغوت کو مذہب کا سہارا دے رہے ہیں۔

قرآن وسنت پر فیصلہ نہ کرنے والوں کو اللہ نے خود کافر' ظالم اور فاسق کہا ہے:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ...... ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ...... ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾

''اور جو بھی اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلہ نہیں کرتے وہی کافر ہیں...... وہی ظالم ہیں...... وہی فاسق ہیں۔''

ان آیات میں ''وَمَنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنۡ'' کا لفظ نہیں آیا بلکہ ''وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ'' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ''جو لوگ ایمان نہیں لاتے'' بلکہ یوں فرمایا ہے کہ ''جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے''۔ تو معلوم ہوا کہ عقیدہ جو بھی ہو مگر جب عملاً قرآن وسنت پر فیصلے نہیں کرتے اور

حکومت کے نظام میں قرآن وسنت کا التزام نہیں کرتے تو وہ کافر‘ ظالم اور فاسق ہیں اور ظالم لوگ حکومت اور امامت کے مستحق نہیں ہوتے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں اللہ نے فرمایا تھا: ﴿لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی ظالم لوگ امامت کے حق دار نہیں ہیں۔

البتہ یہ فرقِ مراتب ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جو لوگ ایمان ہی نہیں لائے ہیں وہ اعتقاداً کافر ہیں اور جو لوگ قرآن وسنت پر اعتقاد اور ایمان تو رکھتے ہیں مگر عملاً قرآن وسنت پر فیصلہ نہیں کرتے تو وہ عملی کفر‘ عملی ظلم اور عملی فسق کے مرتکب ہیں۔ اعتقادی اور عملی کفر کا فرق اُخروی سزا کے اعتبار سے تو ہے کہ ایک ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور دوسرا ہمیشہ نہیں رہے گا‘ لیکن اس دنیا میں امامت وقیادت کا اہل کافر اور ظالم نہیں ہے‘ خواہ اعتقادی کفر وظلم میں مبتلا ہو یا عملی کفر وظلم کا مرتکب ہو۔ اور جو لوگ سیکولر سیاست کے قائل ہوں اور سیاست وحکومت میں قرآن وسنت کی بالادستی کو ذہناً بھی تسلیم نہ کرتے ہوں‘ بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہو کہ سیاست میں دین ومذہب کا کوئی دخل نہیں ہے‘ وہ تو اعتقادی اور فکری کفر کے مرتکب ہیں۔ ان کی اہلیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امام جصاص ؒ‘ امام رازی ؒ اور امام قرطبی ؒ نے لکھا ہے کہ ظالم اور فاسق حکومت کا مستحق نہیں۔ قرآن کا حکم تو یہ ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾﴾ (الدھر)

''اور ان میں سے کسی گناہ کرنے والے اور ناشکری کرنے والے کی اطاعت نہ کرو۔''

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾﴾ (الکھف)

''اور اُس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کے کام حد سے گزرے ہوئے ہیں۔''

﴿وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ (الشُّعراء)

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الفتن‘ و صحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ۔

''اور ان لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو حد سے آگے نکل گئے ہیں اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں' اصلاح نہیں کرتے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت پر فیصلہ نہ کرنے والوں کو کفر' ظلم اور فسق کے مرتکب قرار دیا ہے اور آثِم و کَفُوْر اور مُسْرِف و مُفْسِد کی اطاعت سے منع کر دیا ہے تو آخر ایسے لوگوں کی حکومت الجماعۃ کیسے ہو سکتی ہے؟ جس کا التزام و وفاداری ایمان کا تقاضا ہے اور شریعت کا حکم ہے۔ احادیث تو اس موضوع پر کافی ہیں لیکن حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث پر اکتفا کرتا ہوں:

قَالَ دَعَانَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَبَایَعْنَاہُ فَقَالَ فِیْمَا اَخَذَ عَلَیْنَا اَنْ بَایَعَنَا عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِیْ مَنْشَطِنَا وَمَکْرَھِنَا وَعُسْرِنَا وَیُسْرِنَا وَاَثَرَةً عَلَیْنَا وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْهِ بُرْھَانٌ))(۱)

''حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو ہم نے آپؐ سے بیعت کر لی۔ آپؐ نے ہم پر جو شرطیں لگائی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہم اپنے امیر کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے' خوشی کی حالت میں بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی' تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی اور اس حالت میں بھی کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے' اور یہ کہ ہم حکومت و امارت کے بارے میں اس کے اہل کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے سوائے اس صورت کے کہ تم اس میں ایسا کھلا کفر دیکھ لو جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس اللہ کی جانب سے قطعی دلیل موجود ہو۔''

جو حکومت قرآن وسنت سے منحرف ہو چکی ہو اور ریاست کا نظام سیکولرازم اور لادین سیاست کے اصولوں پر چلا رہی ہو اس کے اس طرزِ عمل کے کفرِ بواح ہونے کی برہان وہ آیات ہیں جن کا ذکر چند سطور قبل ہو چکا ہے کہ ایسی حکومت طاغوت ہے' کافر ہے' ظالم ہے اور فاسق ہے۔ جو سکالر یہ کہتے ہیں کہ عامۃ الناس کی معتمد حکومت اگر کفر بواح کی مرتکب ہو پھر بھی وہ ''الجماعۃ'' ہے وہ اس حدیث پر غور فرمائیں کہ اس میں یہ بات کہاں ہے کہ جس حکومت کو عوام کا اعتماد حاصل ہو وہ اگر کفر بواح کا ارتکاب کرے پھر بھی اس کا التزام کیا جائے؟ باقی رہی شورائیت کے بارے میں آیات و احادیث تو ان کا مفہوم تو یہ ہے کہ اسلامی

---

(۱) ابوداؤد' کتاب السنة' باب شرح السنة۔

حکومت مسلمانوں کے مشورے اوران کی رائے سے بنے گی اور مشورے سے چلے گی۔ سیکولر جمہوریت کا اصول تو یہ ہے کہ جب تک عوام کا اعتماد کسی حکومت کو حاصل ہو اُس وقت تک اس کو حکومت کرنے کا حق حاصل رہتا ہے' لیکن اسلام کے شورائی نظام کا اصول تو یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی معتمد حکومت اگر اللہ ورسول کے احکام سے باغی ہو جائے پھر بھی وہ اسلامی حکومت ہوگی اور اس کے ساتھ چمٹے رہنا دین وایمان کا تقاضا ہوگا!

(٦) الجماعۃ بمعنی اہل سنت والجماعۃ

احادیث میں ''الجماعۃ'' کا اطلاق ان تمام مسلمانوں پر بھی ہوا ہے جو فکر وعمل کے اعتبار سے سنتِ رسولؐ اور سنتِ اصحابِ رسولؐ کا التزام کرتے ہیں' جن کو اصطلاحاً اہل سنت والجماعۃ کہا جاتا ہے۔ ''الجماعۃ'' کا یہ مفہوم اس حدیث سے ماخوذ ہے جو حدیثِ افتراقِ اُمّت کے نام سے مشہور ہے۔

حدیثِ افتراقِ اُمّت اور اس کا مفہوم

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ : اَلَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِيْنَا فَقَالَ : ((اَلَا اِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَاِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ' ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ)) وَفِيْ رِوَايَةٍ : ((وَاِنَّهٗ سَيَخْرُجُ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهٖ —— وَقَالَ عَمْرٌو الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ—— لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ)) (١)

''حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''لوگو سنو! جو اہل کتاب تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ٧٢ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ ملت (میری اُمّت) ٧٣ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ٧٢ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا' یہی جنت میں جانے والے ''الجماعۃ'' ہیں۔'' دوسری روایت میں اس کے بعد آپؐ کے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں کہ:

---

(١) سنن الترمذی' کتاب الایمان عن رسول اللّٰہ' باب ما جاء فی افتراق ھذہ الاُمۃ۔

(٢) المقاصد الحسنہ' ص ١٥٨' بیروت ١٩٨٦

(٣) مشکوٰۃ' باب الاعتصام' فصل ثالث۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 16 (1,1)

’’میری اُمّت میں ایسے گروہ بھی ظاہر ہوں گے جن کے اندر یہ خواہشاتِ نفس اس طرح پھیل جائیں گی جس طرح کہ پاگل کتے کے کاٹے ہوئے شخص کے جسم میں اس کے جراثیم پھیل جاتے ہیں کہ اس کی کوئی رگ اور بند ایسا نہیں ہوتا جس میں جراثیم داخل نہ ہوئے ہوں۔‘‘

ترمذی کی روایت میں آیا ہے کہ صحابہ ؓ نے پوچھا:

مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ)) (۱)

’’یارسول اللہ! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ تو آپ ؐ نے فرمایا: ’’یہ وہ جماعت ہوگی جو میری سنت اور میرے اصحاب کی سنت پر قائم ہو۔‘‘

ایک دوسری حدیث میں اس ’’الجماعۃ‘‘ کو ’’السواد الاعظم‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔ تفرقِ اُمّت کی یہ حدیث ترمذی‘ ابوداوٗد‘ ابن ماجہ‘ مسند احمد‘ صحیح ابن حبان اور مستدرک میں نقل ہوئی ہے۔ اس کے بعض طرق صحیح ہیں‘ بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں۔ حافظ شمس الدین سخاویؒ (متوفی ۹۰۲ھ) نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ۱۵ صحابہ سے اسانید کثیرہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ (۲)

اسی مضمون کی ایک حدیث نسائی‘ مسند احمد‘ دارمی اور دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے جس میں اللہ کے راستے کے آس پاس شیطانی راستوں کا ذکر ہوا ہے‘ مگر اُن راستوں کی تعداد نہیں بتائی گئی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا ثُمَّ قَالَ : ((هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ)) ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ: ((هٰذَا سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ)) وَقَرَاَ: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ (الانعام:۱۵۳) (۳)

’’ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ: ’’یہ اللہ کا راستہ ہے‘‘۔ پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ: ’’یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اپنے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے‘‘۔ اس تمثیل کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ: ’’یہ میرا راستہ ہے‘ اسی پر چلتے رہو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو‘ یہ تم کو اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس تمثیل میں سبیل اللہ کو خطِ مستقیم سے تشبیہہ دی ہے اور قرآن کریم میں ان کے اس راستے کو صراط مستقیم، قصد السبیل اور اَلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ کہا گیا ہے۔ یعنی سیدھا و کشادہ اور افراط و تفریط کے درمیان اعتدال و توازن پر مبنی راستہ یہی قرآن و سنت کا راستہ ہے۔ اور شیطانی راستوں کو ان ترچھی اور ٹیڑھی لکیروں سے تشبیہہ دی ہے جو خط مستقیم کے دائیں بائیں کھینچی گئی ہیں۔ یہ ان بدعتی فرقوں کے راستے ہیں جنہوں نے اپنا رابطہ اسلام سے بالکل منقطع نہیں کیا بلکہ اسلام کی شاہراہ سے اپنے لیے رابطہ سڑکیں بنالی ہیں۔

افتراقِ اُمّت کی حدیث میں جن ۷۲ فرقوں کا ذکر ہوا ہے وہ بھی اُمّت مسلمہ اور اہل قبلہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر انہوں نے خواہشِ نفس اور قرآن وسنت کی نصوص میں تکلفی تاویلات کی بنا پر سنتِ رسولؐ اور سنت اصحابِ رسولؐ کے خلاف بدعات وضلالات کے راستے نکال لیے ہیں اور ان پر چل پڑے ہیں۔ ان میں سے خوارج اور روافض اور بعض دوسرے فرقے سیاسی مقاصد رکھتے تھے اور کچھ دوسرے عوامل کی وجہ سے بنے تھے۔ مقاصد اور عوامل جو بھی تھے ان کی تفصیل اس وقت پیش نظر نہیں ہے، مگر تھے یہ بدعتی فرقے جنہوں اسلام سے اپنا تعلق توڑے بغیر سوادِ اعظم سے اپنے راستے الگ کر دیے تھے۔ حدیث میں یہ نہیں آیا کہ اُمّت میں ہمیشہ کے لیے ۷۲ فرقے رہیں گے اور ان میں کمی بیشی کبھی نہیں ہوگی۔ بعض شارحین حدیث نے تو کہا ہے کہ ۷۲ سے یہ مخصوص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ یہ کنایہ ہے کثرت سے اور مراد یہ ہے کہ میری اُمّت میں بہت سے فرقے اور چھوٹے بڑے گروہ پیدا ہو جائیں گے جو میری اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کی سنت کا التزام نہیں کریں گے، بلکہ ہوائے نفس پر مبنی فلسفیانہ خیالات رکھیں گے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

((فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ))

''لیکن تم میں سے جو زندہ رہا تو بہت سے اختلافات دیکھ لے گا۔ پس اُس وقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت کا التزام کرو۔''

لیکن اکثر شارحین نے ۷۲ کا عدد مراد لیا ہے، مگر یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ اُمّت میں ہمیشہ کے لیے یہی فرقے رہیں گے، نہ کم ہوں گے اور نہ زیادہ ہوں گے۔ اس لیے کہ حدیث میں یہ بات موجود ہی نہیں ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہی تعداد رہے گی۔ یہ ۷۲ بدعتی فرقے کون ہیں؟

(۱) الابانه عن شريعة الفرق الناجية، طبع بيروت ١٩٨٨ء، ص ٣٧٧، ج١۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\mail-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 17 (1,1)

رسول اللہ ﷺ نے نہ ان کے نام بتائے ہیں نہ ان کے عقائد ونظریات کی تفصیلات بتانا ضروری سمجھا ہے' بلکہ صرف ایک جامع قسم کی صفت اور علامت بتادی ہے جس سے وہ پہچان لیے جائیں گے اور وہ صف وعلامت یہ ہے کہ وہ سنت رسولؐ سنت خلفاء راشدین اور سنت اصحاب رسولؐ کا التزام نہیں کریں گے بلکہ ہوائے نفس کا اتباع کریں گے۔ چنانچہ جب یہ فرقے نمودار ہوئے تو مسلمانوں نے پہچان لیے اور محدثین نے ان کے نام اور عقائد معلوم کر کے بتادیے تاکہ اُمّت ان سے اجتناب کرے۔

اہل بدعت کے ۷۲ فرقے

چوتھی صدی ہجری کے ایک عالم ہیں جو ابن **بطۃ** عکبری کے نام سے مشہور ہیں۔ ''**بطۃ**'' ان کے اجداد میں سے کسی کا لقب تھا اور عکبر بغداد سے ۵ فرسخ کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے ساحل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس نے یوسف بن اسباطؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

اصل البدع اربعة الروافض' والخوارج' والقدرية والمرجئة(۱)

تمام بدعتی فرقوں کے اصل فرقے چار ہیں : روافض (شیعہ) خوارج' قدریہ (معتزلہ) اور مرجئہ۔ باقی جتنے چھوٹے بڑے فرقے اور گروہ بنے ہیں وہ انہی چار کی ذیلی شاخیں اور گروپ ہیں جو الگ الگ ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔''

لیکن علم الکلام کی معروف کتاب المواقف میں لکھا ہے کہ:

وكبار الفرق الا سلامية ثمانية : المعتز لة والشيعة والخوارج والمرجئة والنجارية والمشبهة والناجية

''بڑے اسلامی فرقے آٹھ ہیں: معتزلہ' شیعہ' خوارج' مرجئہ' نجاریہ' مشبہہ اور ناجیہ (یعنی نجات پانے والی جماعت ''اہل سنت والجماعۃ)۔''

اس کے بعد اُن ۸ فرقوں کی ذیلی شاخوں اور گروپوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

معتزلہ:۲۰	شیعہ:۲۲	خوارج:۲۰	مرجئہ:۵	
نجاریہ:۳	جبریہ:۱	مشبہہ:۱	ناجیہ:۱	کل ۷۳

ان ۷۲ فرقوں سے منسلک لوگ مجموعی طور پر بھی ہر دَور میں ''الجماعۃ'' اور ''السواد الاعظم'' سے منسلک مسلمانوں کے مقابلے میں ۵ فیصد سے بھی کم رہے ہیں اور آج تو سوائے

شیعہ کے مذکورہ ناموں سے موسوم غالباً ایک فرقہ بھی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ مشہور اسلامی فرقے تو آج صرف دو ہیں: ایک اہل سنت والجماعۃ اور دوسرا شیعہ۔ مگر یہ بات کبھی بھی بھولنی نہیں چاہیے کہ اہل سنت میں تمام وہ مکاتب فقہ شامل ہیں جو سنت رسول اور سنت اصحاب رسول کا عقیدہ اور عمل دونوں میں التزام ضروری سمجھتے ہیں۔ حنفیہ' شافعیہ' مالکیہ' حنابلہ' اہل حدیث اور اہل ظاہر سب اہل سنت والجماعۃ میں شامل ہیں۔ اسی طرح پاکستان اور عالم اسلام کی وہ تمام اسلامی تحریکیں اور دینی تنظیمیں جو مذکورہ اصول کا التزام کرتی ہیں' جس نام سے بھی موسوم ہوں سب کی سب اہل سنت والجماعۃ میں شامل ہیں۔ اور سب ایک بہت بڑی عالمی نظریاتی جماعت یعنی الجماعۃ کے اعضاء ہیں اور اس کی ذیلی برادر تنظیمیں ہیں۔ فروع وجزئیات میں تعبیر واجتہاد کے تنوع کی وجہ سے جو اختلافِ آراء اہل سنت کے مکاتب فقہ کے درمیان موجود ہے یا طریقہ کار' حکمت عملی اور تدابیر کا جو تنوع اہل سنت کی ذیلی برادر تنظیموں اور تحریکوں میں نظر آ رہا ہے یہ اہل سنت کے ملت واحدہ اور الجماعۃ ہونے کے منافی نہیں ہے۔

اہل بدعت ۷۲ فرقوں کے افکار اور خیالات کی تفصیل شرح مواقف' الاعتصام للشاطبیؒ اور الملل والنحل کی کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئی ہے' لیکن یہ تفصیل اس وقت موضوع سے کچھ زیادہ تعلق بھی نہیں رکھتی اور اس کی اب وہ افادیت بھی نہیں رہی جو ان فرقوں کے ظہور کے وقت تھی۔ آج کل نفاذِ شریعت کے مخالفین اور سیکولرازم کے مؤیدین کہتے پھرتے ہیں کہ کس فرقے کی شریعت نافذ کریں' اسلام میں تو ۷۳ فرقے ہیں یہ بات کہنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو اسلامی نظام اور نفاذِ شریعت کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو ۷۳ فرقوں کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ اس لیے کہ اسلام کا تحقیقی علم تو دینی مدارس میں حاصل کیا جا سکتا ہے اور انہوں نے فرنگی طرز کی ملکی یا غیر ملکی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا ہے۔ پہلی قسم کے لوگوں کو جواب دینے کے لیے اور دوسری قسم کے مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے عرض ہے کہ یہ برائے نام ۷۲ فرقے' بلکہ اگر اِن کے مزید ذیلی گروپوں کو شمار کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ فرقے' مجموعی طور پر اہل سنت کے مقابلے میں ۵ فیصد سے بھی کم رہے ہیں اور آج ان کا دنیا میں نام بھی باقی نہیں رہا۔ اصل ملت واحدہ وہی ہے جس کو ناجیہ کہا گیا ہے اور وہ ہے ''الجماعۃ'' بمعنی اہل سنت والجماعۃ۔ اس وقت تو عملاً دو ہی اسلامی فرقے ہیں: شیعہ اور سنی اور دونوں کے ممتاز اور نمائندہ ۳۱ علماء نے جنوری

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\mz11-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 18 (1,1)

۱۹۵۱ء میں اسلامی ریاست کے لیے ۲۲ دستوری نکات پر مکمل اتفاق کر لیا تھا۔ اور ۲۳ اپریل ۱۹۹۵ء کو ملی یک جہتی کونسل کے اجلاس منعقدہ لاہور میں دونوں کے ۷۰ ممتاز اور نمائندہ علماء نے ان ۲۲ نکات پر دوبارہ دستخط کر دیئے ہیں اور کونسل کے منظور کردہ ۱۷ نکاتی ضابطہ اخلاق میں پہلا نکتہ ان ۲۲ نکات کی توثیق ہے۔ ''خوئے بد بہانہ بسیار'' کے طور پر سیکولرازم کے پجاریوں کا یہ ۷۳ فرقوں والا بہانہ بھی اب ختم ہو گیا ہے۔ عملاً تو سوائے شیعہ کے اہل بدعت کے فرقے موجود ہی نہیں ہیں' لیکن افتراق اُمّت کی صحیح حدیث کو سمجھنے کے لیے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔

سوال: رسول اللہﷺ نے الجماعۃ کے علاوہ باقی ۷۲ فرقوں کو دوزخی کہا ہے۔ دوسری طرف ان کو اپنی اُمّت اور ملت بھی کہا ہے کہ میری اُمّت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ تو دوزخی فرقے رسول اللہﷺ کی اُمّت کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب: دوزخ کی آگ کی نسبت صرف کفر بواح کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ قرآن و سنت کی متعدد نصوص میں دوزخ' لعنت اور قہر و غضب کی نسبت ان مسلمانوں کی طرف بھی کی گئی ہے جو سنت رسول اور سنت اصحاب رسول کا التزام نہیں کرتے' اگرچہ اسلام کے قطعی عقائد کو مانتے ہیں' کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ البتہ ان بدعتی لوگوں میں سے ایسے بھی تھے جو کفر بواح کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ تو ملت اسلامیہ سے خارج اور خلود فی النار یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے مستحق ہیں' لیکن ان فرق ضالہ میں سے جو کفر بواح کا عقیدہ تو نہیں رکھتے تھے مگر اپنی تاویل فاسد کی بنا پر اعتقاد فاسد رکھتے تھے وہ مسلمان ہونے کے باوجود دخول فی النار یعنی دوزخ میں کچھ وقت کے لیے داخل ہونے کے مستحق تھے اس لیے حدیث میں ان کو دخول فی النار کہا گیا ہے۔ باقی رہے اہل سنت کے وہ لوگ جو کبائر کے ارتکاب اور فرائض کے ترک میں مبتلا ہوں وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے دخول فی النار کے مستحق ہوتے ہیں' اعتقادِ فاسد کی وجہ سے اس کے مستحق اس لیے نہیں ہوتے کہ عقیدتاً تو وہ الجماعۃ میں شامل ہوتے ہیں جو جماعت ناجیہ ہے۔ کلھم فی النار کی یہی تحقیق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کی ہے اور اس کو محققین کا قول کہا ہے۔ (۱)

(۱) لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح' ص ۲۳۵' ج ۱۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب العلم و کتاب الاعتصام۔

اہل سنت والجماعۃ کا صحیح مفہوم

جماعت ناجیہ کو بعض احادیث میں ''الجماعۃ'' کہا گیا ہے' بعض میں ''السواد الاعظم'' کہا گیا ہے اور بعض میں ''مَا اَنَا عَلَیۡهِ وَاَصۡحَابِیۡ'' کہا گیا ہے۔ان تینوں کا مفہوم ایک ہے۔ اس لیے کہ ''الجماعۃ'' میں الف لام عہد کے لیے ہے اور مراد ہے وہ جماعت جو سنت رسول اور سنت اصحاب رسول پر قائم ہو۔ یہ جماعت بدعتی فرقوں کے مقابلے میں ہر دَور میں اکثریت ہی میں نہیں بلکہ غالب ترین اکثریت میں رہی ہے۔اس لیے اس کو ''السواد الاعظم'' کا نام بھی دیا گیا ہے' یعنی بڑی جماعت لیکن الاعظم کے معنی اعظم شاناً و دفعتاً بھی آتے ہیں' یعنی بڑی شان اور رفعت و درجے والی جماعت' اگرچہ اس کی تعداد سب سے کم ہو۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ حق پر قائم رہنے والے مسلمان بہت کم ہوں گے اور معاشرے میں وہ غریب اور اجنبی ہوں گے۔ الجماعۃ کا یہ مفہوم (یعنی اہل سنت والجماعۃ) اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((وَلَنۡ تَزَالَ هٰذِهِ الۡاُمَّةِ — وفی روایۃ : لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنۡ اُمَّتِیۡ — وفی روایۃ : لَا تَزَالُ مِنۡ اُمَّتِیۡ اُمَّةً قَائِمَةً عَلٰی اَمۡرِ اللّٰهِ لَا یَضُرُّهُمۡ مَنۡ خَالَفَهُمۡ — وفی روایۃ : مَنۡ خَذَلَهُمۡ حَتّٰی یَاۡتِیَ اَمۡرُ اللّٰهِ))[۲]

''میری اُمّت میں سے ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور مخالفت کرنے والے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے (دین سے نہیں ہٹا سکیں گے) یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا۔''

اس مضمون کی متعدد احادیث حضرت معاویہؓ' مغیر بن شعبہ' ثوبان' جابر بن سمرہ' جابر بن عبداللہ' عقبہ بن عامر اور عبداللہ بن عامر سے بخاری و مسلم میں نقل ہوئی ہیں کہ یہ کون سی جماعت ہے جس کا تسلسل برقرار رہے گا اور وقت مقررہ تک دنیا سے ان کا وجود مٹایا نہیں جا سکے گا؟

امام بخاری نے تو کتاب الاعتصام کے ایک ترجمۃ الباب میں اپنی رائے یہ دی ہے: ہم اهل العلم ''یہ اہل علم ہیں''۔ ابن حجر اور امام نووی نے امام احمد بن جنبل کا قول نقل کیا ہے کہ:

---

(۱) شرح مسلم' کتاب الامارۃ۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms11-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 19 (1,1)

ان لم یکو نوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم؟ وقال عیاض اراد احمد بن حنبل اھل السنة والجماعة.

’’اگر یہ اہل حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون ہو سکتے ہیں؟ قاضی عیاض نے فرمایا کہ امام احمد کی مراد اہل سنت والجماعت ہیں‘‘۔

امام بخاری اور امام احمد کے اقوال میں صرف تعبیر کا فرق ہے۔ اس لیے کہ اہل حدیث یعنی اہل سنت کی دینی اور فکری قیادت ظاہر ہے کہ اہل علم ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی علمی قیادت کے بغیر تو وہ دین پر قائم نہیں رہ سکتے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

’’ضروری نہیں ہے کہ اس جماعت کے افراد ایک ہی مقام پر کام کرتے ہوں‘ بلکہ یہ زمین کے اقطار واطراف میں پھیلے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ ان میں سے بہادر اور دلیر مجاہد ہوں گے‘ کچھ فقہاء اور محدثین ہوں گے‘ کچھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے ہوں گے اور کچھ خیر اور بھلائی کے دوسرے کام کرتے ہوں گے۔ یہ ایک معجزہ ہے کہ یہ صورت حال دَورِ نبویؐ سے لے کر آج تک قائم رہی ہے اور اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ کا وہ حکم نہ آ جائے جس کا ذکر حدیث میں ہوا ہے۔‘‘(۱)

اللہ کے جس حکم کا حوالہ اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ:

’’پھر اللہ تعالیٰ ایسی ہوا بھیج دے گا جو مشک کی طرح خوشبودار اور ریشم کی طرح نرم ہو گی‘ اور جب ایسے شخص پر گزرے گی جس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا تو اس کی روح قبض کرے گی۔ اس کے بعد زمین پر بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے اور اُن پر قیامت قائم ہو جائے گی۔‘‘(۲)

اس سلسلے میں ایک دوسری مشہور حدیث بھی قابل غور ہے جو ایک طویل حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان پانچ احکام کا ذکر فرمایا ہے جن پر عمل کرنے اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیا تھا اور انہوں نے بیت المقدس میں ایک اجتماع بلا کر وہ احکام بیان فرمائے تھے۔ وہ پانچ احکام تھے: عقیدۂ

(۱) الترمذی‘ کتاب ابواب الامثال۔ ومسند احمد‘ طبع دار صادر‘ ص ۲۰۲‘۳۰‘ ج۴۔ والصحیح لابن خزیمه ‘ص ۱۹۵‘ ج۳۔ وموارد الظمآن بزوائد ابن حبان‘ ص ۲۹۹۔ والسنن الکبری للبیھقی‘ ص۱۵۷‘ج۸۔ وشرح السنة للبغوی‘ ص ۵۱‘ ج۱۰۔ ومشکوٰة شریف‘ کتاب الامارة‘ فصل ثانی۔

توحید، نماز، روزہ، صدقہ اور اللہ کا ذکر۔ اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا:

((وَاَنَا آمُرُ کُمُ بِخَمُسٍ اللّٰهُ اَمَرَنِیُ بِهِنَّ السَّمُعَ وَالطَّاعَةُ وَالُجِهَادُ وَالُهِجُرَةُ وَالُجَمَاعَةُ فَاِنَّهٗ مَنُ فَارَقَ الُجَمَاعَةِ قِیُدَ شِبُرٍ فَقَدُ خَلَعَ رِبُقَةَ الُاِسُلَامِ مِنُ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنُ یَرُجِعَ وَمَنُ ادَّعٰی دَعُوَی الُجَاهِلَةِ فَاِنَّهٗ مَنُ جُثَا جَهَنَّمَ)) فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ وَاِنُ صَلّٰی وَصَامَ قَالَ : ((وَاِنُ صَلّٰی وَصَامَ فَادُعُوُا بِدَعُوَی اللّٰهِ الَّذِیُ سَمَّاکُمُ الُمُسُلِمِیُنَ الُمُؤُمِنِیُنَ عِبَادَ اللّٰهِ)) [1]

''اور میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے: سننا، ماننا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا، اور الجماعۃ کا التزام کرنا، اس لیے کہ جو شخص الجماعۃ سے بالشت برابر بھی الگ ہوا تو اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا الّا یہ کہ دوبارہ لوٹ آئے۔ اور جو لوگ جاہلیت کی دعوت دیتے ہیں (نسلی عصبیت کی) تو وہ جہنمی جماعتیں ہیں''۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اگرچہ وہ نماز پڑھتے ہوں اور روزہ رکھتے ہوں؟ فرمایا: ''اگرچہ نماز پڑھتے ہوں اور روزہ رکھتے ہوں۔ پس اللہ کے بندو! تم لوگوں کو اللہ کی جانب بلاؤ جس نے تم کو مسلمین اور مؤمنین کا نام دیا ہے۔''

ترمذی کے مشہور شارح قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ سمع سے مراد کانوں سے سننا نہیں ہے بلکہ دل سے قبول کرنا مراد ہے، ورنہ کانوں سے سننا اور دل میں قبول نہ کرنا تو منافقین کی عادت ہے: ﴿الَّذِیُنَ قَالُوُا سَمِعُنَا وَهُمُ لَا یَسُمَعُوُنَ﴾ ''جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے، حالانکہ وہ دل میں قبول نہیں کرتے''۔ ''الطاعۃ'' سے مراد ہے عمل کرنا جو دل سے قبول کرنے کی نشانی ہے۔ جہاد اور ہجرب کے معنی معروف ومعلوم ہیں اور التزام جماعت کے معنی ہیں:

لزوم الطریقة التی یتمسک بها الناس ولا یکون المرء شاذا خارجا عن منها جهم و هذه الجماعة هی الصحابة والتابعون والا خیار المسلمون فی جادة الدین ومنهاج الحق المبین[2]

---

(۱) عارضة الاحوذی، شرح ترمذی، ابواب الامثال۔

(۲) الکاشف عن حقائق السنن، شرح مشکوٰۃ، ص ۲۰۰، ۲۰۱، ج۷۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\mail-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 20 (1,1)

’’اس طریقے کا التزام کرنا جس پر دوسرے لوگ عمل کرتے ہیں اور یہ کہ انسان ان کے راستے سے الگ نہ رہے۔ یہ الجماعۃ (جس کے التزام کا حکم دیا گیا ہے) صحابہ و تابعین اور بہترین مسلمانوں کی جماعت ہے جو دین اور حق کی شاہراہ پر قائم رہتے ہیں۔‘‘

علامہ طیبیؒ (متوفی ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

قوله بالجماعة المراد بهم الصحابة اى آمركم بالتمسک بهديهم والانخراط فی زمر تهم......قوله قيد شبر......والمعنى ان من فارق الجماعة بترک السنة وارتکاب البدعة ولو بشيئ يسير نقض عهد الاسلام ونزع اليد عن الطاعة(۲)

’’الجماعۃ سے مراد صحابہؓ ہیں‘ یعنی میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ جماعتِ صحابہؓ کے طریقے پر قائم رہو اور اپنے آپ کو ان کی جماعت سے منسلک رکھو۔۔۔ بالشت برابر الگ رہنے سے مراد یہ ہے کہ جو بھی سنت کے ترک کرنے اور بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے الجماعۃ سے جدا ہوا‘ اگرچہ بہت تھوڑا سا الگ ہوا ہو تو اس نے اسلام کا عہد توڑ لیا اور اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا‘‘۔

ملا علی قاری (متوفی ۱۰۲۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (متوفی ۱۳۵۳ھ) نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں بھی اسی طرح کی تشریح کی ہے۔ مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلامی حکومت پر مجتمع و متحد ہونے والے مسلمانوں کو بھی الجماعۃ کہا جاتا ہے اور التزامِ جماعت کی ہیئت کاملہ اسلامی حکومت کی اطاعت کرنا ہے۔ لیکن احادیث میں الجماعۃ کا اطلاق ان تمام مسلمانوں پر بھی ہوا ہے جو سنت رسولؐ اور سنت صحابہؓ کا التزام کرتے ہوں جن کو اہل سنت والجماعۃ کہا جاتا ہے‘ اگرچہ ان کے پاس حکومت اور اقتدار موجود نہ ہو۔ اور التزامِ جماعت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کے اُصولوں کی پابندی کی جائے اور ان سے خروج و شذوذ نہ کیا جائے۔ لیکن یہاں پر دو سوال پیدا ہو سکتے ہیں جن کا حل کرنا ضروری ہے۔

سوال (۱): جب ان کی اپنی اسلامی حکومت نہیں ہوگی تو پھر کس چیز پر مجتمع ہوں گے؟

جواب: وہ ’’مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ‘‘ پر مجتمع ہوں گے‘ یعنی ان اُصول و عقائد پر ان

---

(۱) احکام القرآن‘ ص ۲۱۰‘ ج۲۔ وتفسیر ابن کثیر‘ سورۃ النساء ‘ آیت ۵۹۔ ومشکل الآثار‘ ص ٤٧٦‘ ج۱

کا اجتماع واتحاد ہوگا جو سنت رسولؐ اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہیں۔اصول وافکار پر مجتمع ہونے والے افراد پر بھی ملت' اُمّت اور الجماعۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

سوال (۲): جماعت کے لیے تو امیر کی ضرورت ہوتی ہے' تو امیر کے بغیر صرف مشترکہ اصولوں پر اشتراک واجتماع کی بنیاد پر اہل سنت پر الجماعۃ کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: اصولی اور نظریاتی جماعتوں کی اصل قیادت وہ افکار کرتے ہیں جن پر ان جماعتوں کی تشکیل ہوئی ہو۔اُمّت مسلمہ کی اصل قیادت وہدایت بھی قرآن وسنت کرتے ہیں اور عملاً حق شناس' حق پرست علماء دین ''الجماعۃ'' کے فکری راہنما اور غیر حکومتی امراء وحکام ہوتے ہیں۔اولوالامر کا لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں طبقوں کو شامل ہے' یعنی علماء وفقہاء کو بھی اور امراء حکام کو بھی' اس لیے کہ نظامِ امر انہی دو طبقوں کے ساتھ وابستہ ہے۔[1]

(۷) جماعت المسلمین کا صحیح مفہوم

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث رسولؐ میں جماعت المسلمین اور اس کے امام کے التزام کا حکم دیا گیا ہے' جسے بعض حضرات ایک مخصوص جماعت کے التزام کے لیے پیش کرتے ہیں۔اس لیے مناسب ہے کہ جماعت المسلمین کے التزام کا صحیح مفہوم بھی واضح کر دیا جائے' تا کہ التزامِ جماعت پر تحریر کردہ اس مضمون میں کوئی تشنگی باقی نہ رہے۔ پہلے حضرت حذیفہؓ کی پوری حدیث ملاحظہ کر لیجیے۔

> ''حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے ''خیر'' کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور میں ''شر'' کے بارے میں زیادہ سوال کیا کرتا تھا' اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں یہ شر مجھ پہ نہ آ جائے۔چنانچہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم لوگ جاہلیت اور شر کی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ یہ خیر ہمارے پاس لے آئے (ایمان واسلام اور امن وامان) تو کیا اس خیر کے بعد شر دوبارہ آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! آئے گا''۔میں نے کہا اس شر کے بعد دوبارہ خیر آئے گی؟ فرمایا: ہاں! آئے گی' مگر اس میں گدلا پن ہوگا۔'' میں نے پوچھا یہ گدلا پن کیسا ہوگا؟ فرمایا: ''ایسے لوگ آئیں گے جو میری سنت کے خلاف قوم کی راہنمائی کریں گے۔تو اُن میں اچھے کام بھی دیکھے گا اور برے کام بھی دیکھے گا۔'' میں نے کہا کیا اس قسم کی خیر کے بعد پھر شر آئے

(۱) صحیح البخاری' کتاب الفتن' وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\msl1-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 21 (1,1)

گا؟ فرمایا: ’’ہاں! ایسا شر آئے گا کہ جہنم کے دروازوں پر بلانے والے بیٹھے ہوں گے اور جو لوگ ان کی دعوت قبول کریں گے وہ ان کو جہنم میں پھینک دیں گے (یعنی ضلالت کی راہ پر لگا دیں گے)‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی کچھ صفات بیان کیجیے! فرمایا: ’’وہ ہماری ہی قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان بولیں گے‘‘۔

قُلْتُ فَمَا تَامُرُنِیْ اِنْ اَدْرَکَنِیْ ذٰلِکَ؟ قَالَ : ((تَلْزَمُ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَھُمْ قُلْتُ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَھُمْ جَمَاعَۃٌ وَلَا اِمَامٌ؟ قَالَ: ((فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ کُلَّھَا وَلَوْ اَنْ تَعُضَّ بِاَصْلِ شَجَرَۃٍ حَتّٰی یُدْرِکَکَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰی ذٰلِکَ))(۱)

میں نے کہا کہ اگر یہ زمانہ مجھ پر آ گیا تو آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ’’مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے امام کے ساتھ لگے رہو میں نے عرض کی کہ اگر مسلمانوں کی جماعت بھی نہ ہو اور ان کا کوئی امام بھی موجود نہ ہو تو پھر کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: ’’ان سارے فرقوں سے الگ ہو جاؤ اگرچہ تمہیں کسی درخت کی جڑوں کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا پڑے (یعنی درخت کے نیچے لوگوں سے الگ زندگی گزارنی پڑے) یہاں تک کہ جب تم پر موت آئے تو تم اسی حالت پر ہو‘‘

اس حدیث میں جن ادوار کی پیشین گوئی کی گئی ہے شارحینِ حدیث نے ان کے تعین کی کوشش بھی کی ہے، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے کسی کا نام لے کر یا سال بتا کر تعین نہیں کیا تو ہمارے لیے بھی خاموش رہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ مگر حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اور دور نہیں آئیں گے۔ اُمّت پر کئی اچھے برے ادوار گزر چکے ہیں اور کئی اچھے برے ادوار اور آئیں گے یہاں تک کہ نزولِ عیسٰیؑ کے بعد اس دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جیسا دور دوبارہ آئے گا اور قیامت سے قبل یہ دنیا خیر سے بالکل خالی ہوتی جائے گی اور شرار الناس یعنی بدترین لوگوں پر قیامت آئے گی۔ ہمارے لیے اِس حدیث میں جو ہدایت ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بدعت وضلالت کے غلبے کا دَور آ جائے اور بدعتیوں کا ہر فرقہ، گروہ اور جماعت لوگوں کو اپنی طرف بلائے تو تم ان ائمۂ بدعت وضلالت میں کسی کی دعوت قبول نہ کرو، اس لیے کہ وہ اسلام کے نام پر ضلالت کی دعوت ہو گی، بلکہ مسلمانوں کی اس جماعت کے ساتھ لگے رہو اور چمٹے رہو جو قرآن وسنت کا التزام کرنے والے امیر کی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ۔

امارت پر مجتمع ہوں، چاہے وہ صلاحیت کے اعتبار سے اپنے وقت کا معیاری مسلمان ہو یا اس کے اندر کچھ خرابیاں بھی موجود ہوں، مگر جب تک اُس حکمران نے طاغوت کی شکل اختیار نہ کی ہو اور قرآن وسنت سے منحرف نہ ہوا ہو اُس وقت تک اسی کا التزام کرنا دین کا تقاضا ہوگا۔ لیکن اگر تم ایسی صورت حال سے دوچار ہو گئے ہو کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام درہم برہم ہو گیا ہو اور قرآن وسنت کی بالادستی تسلیم کرنے والی کوئی حکومت موجود نہ ہو اور اس نظام کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے والی ایسی دینی جماعت بھی موجود نہ ہو جو قرآن وسنت کا التزام کرتی ہو اور تم اپنے اندر تنہا حالات کا مقابلہ کرنے یا جماعت بنانے کی قوت بھی نہ پاتے ہو، بلکہ تمہارے اپنے دین وایمان کو خطرہ درپیش ہو تو ایسے حالات میں اپنے ایمان کے بے بہا خزانے کے تحفظ کے لیے لوگوں سے الگ ہو کر کسی محفوظ جگہ میں بیٹھ کر زندگی کے باقی دن پورے کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں اپنے دین کو بچانے کے لیے فرار من الفتن کی رخصت ہی نہیں بلکہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ (ملاحظہ کیجیے بخاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن) باقی رہی یہ بات کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کیا ایسے حالات موجود ہیں یا نہیں؟ تو اس کا فیصلہ وہ شخص خود اپنی فراست وبصیرت کی روشنی میں کرے گا کہ کیا میرے لیے اب خلوت گزینی کی رخصت ہے یا نہیں، یا کیا میرے اپنے شخصی دین ایمان کو کوئی خطرہ ہے یا نہیں؟ یہ ہے اس حدیث کا میرے فہم کے مطابق صحیح مفہوم۔ جماعت المسلمین کا لفظ اور بھی کئی احادیث میں آیا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی ہیں ''مسلمانوں کی جماعت''۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((فَاَمَّا الْحُیَّضُ فَیَشْھَدْنَ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ وَدَعْوَتَھُمْ وَیَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاھُمْ)) [۱]

''حائضہ عورتیں بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ عید گاہ میں حاضر ہو جائیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں، البتہ ان کی نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ الگ رہیں۔''

اس حدیث میں جماعت المسلمین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو نماز عید کے لیے جمع ہوئے ہوں۔ یعنی اس سے مراد نمازِ عید کا اجتماع ہے، کوئی مخصوص تنظیم مراد نہیں ہے۔ دراصل اُمّت مسلمہ اور جماعت المسلمین دونوں ہم معنی ہیں۔ اُمّت کے معنی ہیں جماعت اور مسلمہ کے معنی ہیں فرمانبردار، یعنی اللہ کی فرمانبردار جماعت۔ اور اس جماعت میں شامل ہونے والوں کا نام اللہ نے مسلمین رکھا ہے۔ دین اسلام کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمین

E:\Ms-2005\Meesaaq_PdF_2005\meesaq august05\msl1-05.inp 8/22/2014 3:14 PM PAGE 22 (1,1)

بھی کہا ہے‘ مومنین بھی کہا ہے‘ اُمّت مسلمہ بھی کہا ہے‘ اُمّت وسط بھی کہا ہے اور حزب اللہ بھی کہا ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے انہی مسلمانوں کو جماعت المسلمین کہا ہے۔ یہ سارے نام اسمائے صفتی ہیں اور موصوف واحد کے اپنی صفات کے اعتبار سے کئی نام بھی ہو سکتے ہیں۔جس طرح کہ مسلمانوں کے افراد واشخاص اپنے ناموں کے تنوع کے باوجود جماعت المسلمین میں شامل ہیں۔البتہ موہم شرک یا فرقہ وارانہ نام رکھنا جائز نہیں ہے اور قرآن سنت کے خلاف کوئی چیز دستور اور لائحہ عمل میں شامل کرنا بھی ممنوع ہے۔

دینی جماعتیں اہل سنت کی برادر تنظیمیں ہیں

دینی جماعتوں پر میرا تفصیلی اور تحقیقی مقالہ جو وفاقی شرعی عدالت کے سوال کے جواب میں لکھا گیا تھا‘ میری کتاب ’’تفہیم المسائل‘‘ حصہ اوّل میں شامل ہے اور اسی موضوع پر میرا ایک مضمون ’’فاران‘‘ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔اس لیے اس مضمون میں تفصیل کی ضرورت تو نہیں ہے البتہ دو باتوں کا ذکر مختصراً ضروری ہے۔

(۱) آج پورے عالم اسلام میں اور ہمارے ملک پاکستان میں بھی الجماعۃ‘یعنی اقامت دین کا فرض انجام دینے والی اسلامی حکومت موجود نہیں ہے‘ بلکہ ایسی حکومتیں قائم ہیں جو عملاً لادین سیاست کے اصول پر کام کر رہی ہیں۔تو کیا اس نظام کو بدلنے اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا اُمّت مسلمہ پر فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض نہیں ہے تو پھر طاغوت سے انکار‘ نہی عن المنکر اور جہاد سے متعلق آیات کا مفہوم کیا ہے؟ اور اگر فرض ہے‘ اور یقیناً فرض ہے‘ تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس فرض کی ادائیگی کے لیے انفرادی جدوجہد کافی ہے یا اس کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا ضروری ہے؟ میرے خیال میں اس سوال کا جواب ہر ایک کو معلوم ہے کہ ایک نظام کو مٹانے اور اس کی جگہ اسلام کا اجتماعی نظام لانے کے لیے اجتماعی جدوجہد کا نظام قائم کرنا ضروری ہے اور اس اجتماعی جدوجہد کے نظام کو جماعت یا تنظیم کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے لہٰذا اقامت دین کی جدوجہد کے لیے دینی جماعتیں بنانا ضروری ہے۔اس کے شرعی دلائل اور جماعت سازی کی شرائط وحدود میرے محوّلہ بالا مقالے میں بیان کر دی گئی ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ طریقہ کار‘ حکمت عملی‘ تدابیر‘ مصالح مرسلہ اور تنظیم وتربیت کے نظام میں تنوع اور اختلاف آراء کی وجہ سے ایک ہی مقصد کے لیے ایک سے زائد دینی

جماعتیں اور تنظیمیں بھی بنائی جاسکتی ہیں، لیکن جب سب کا مقصد اقامت دین اور نفاذِ شریعت ہو اور ان کے دستور، منشور، طریقہ کار اور سرگرمیوں میں قرآن وسنت اور اصول اہلِ سنت والجماعۃ کے خلاف کوئی چیز موجود نہ ہو تو ان دینی جماعتوں کی حیثیت اہل سنت کی ذیلی برادر تنظیموں کی ہوگی اور سب کی سب عالمی ''الجماعۃ'' یعنی اہل سنت والجماعۃ کی ذیلی شاخوں کی طرح باہمی تعاون وتناصر کے ساتھ اقامتِ دین کے لیے کام کریں گی، بشرطیکہ پارٹی اور جماعتی تعصب کے جراثیم سے یہ جماعتیں محفوظ ہوں۔ پارٹی تعصب سے مراد یہ ہے کہ اپنی پارٹی کو عملاً معیارِ حق کا درجہ دے دیا جائے، جو اپنی پارٹی میں شامل ہو اس کی غلط بات کی بھی تائید کی جائے اور جو دوسری پارٹیوں میں ہو تو اس کی اچھی بات کی بھی تردید کی جائے۔ اُمّت کو حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں تقسیم کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ دینی اور اسلامی تحریکیں اگر جسد واحد کے مختلف اعضاء کی طرح کام کریں گی تو ملّی یک جہتی اور اُمّت کی وحدت کو اِن تحریکوں کی کثرت سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن اگر ان کے درمیان حسد وبغض اور رقابت ومخاصمت پیدا ہوگئی تو پھر اچھے سے اچھا دستور ومنشور اور اعلیٰ وارفع نصب العین رکھنے کے باوجود ایسی جماعتیں اُمّت مسلمہ کے اتحاد کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں نسل، زبان، علاقائیت اور فرقہ واریت کی بنیاد پر جماعت سازی کی اجازت نہیں۔ وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

گوہر رحمان

۱۵ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

۱۵ مئی ۱۹۹۵ء

۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱
۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۱ ۲۰
۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰

۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳
۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵
۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶

۱۲۴ ۱۲۳ ۱۲۲ ۱۲۱ ۱۲۰ ۱۱۹ ۱۱۸ ۱۱۷ ۱۱۶ ۱۱۵ ۱۱۴ ۱۱۳ ۱۱۲ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵

عالمِ اسلام: اسلامیت اور امریکہ

درپیش چیلنج اور اس سے نمٹنے کے لیے حکمتِ عملی

تحریر: انعام خواجہ/محمد موسیٰ بھٹو

جب کسی قوم اور ملک پر شیطان بُری طرح مسلط ہوتا ہے تو اس قوم اور ریاست کے حکمرانوں پر شیطنت کے نئے نئے منصوبے القا کرتا رہتا ہے' اور ان شیطانی منصوبوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے آخری حد تک مضطرب بھی کر دیتا ہے اور ان اہداف کو اپنی زندگی اور موت کے مسائل کی حیثیت دے کر ساری قوت ان منصوبوں میں جھونک دینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اِس وقت اغوائے شیطانی کی اس طرح کی سب سے بہترین مثال امریکہ کی ہے۔ شیطان نے امریکہ کو یہ القا کر دیا ہے کہ اس کی زندگی اسلامیت کی موت سے وابستہ ہے۔ اگر اسلام زندہ رہا' اسلامی تہذیب کے اثرات قائم رہے' جذبۂ جہاد موجود رہا' اسلامی تحریکیں عالمِ اسلام میں فعال کردار ادا کرتی رہیں اور دینی مدارس کی وجہ سے مسلمانوں کی اسلامیت سے وابستگی قائم رہی تو اس کے لیے مستقل طور پر عالمِ اسلام کے وسائل پر کنٹرول کرنا اور مسلمانوں کی قوت کو مفلوج کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اس طرح اسلامیت کے تشخص اور جذبۂ جہاد اور اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے اس کا عالمگیریت کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ عالمِ اسلام سے اسلامیت اور اسلامی اثرات کو ختم کرنے' غلامانہ ذہنیت کے حامل افراد پیدا کرنے اور مادہ پرستی کو فروغ دینے کے لیے امریکہ نے اب نئی حکمتِ عملی تشکیل دی ہے۔ اس حکمتِ عملی کو ڈالر کے ذریعہ دل و دماغ کو کنٹرول کرنے کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام خدا کا دین ہے اور انسانیت کے نام اس کا آخری پیغام ہے۔ اس دین کو قیامت تک قائم رکھنے کی ذمہ داری اللہ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس لیے خدا کے دین کو مٹانے کے لیے اپنے وسائل اور ساری توانائیوں کا استعمال دراصل خدا کو چیلنج دینے کے برابر ہے۔ کوئی قوم و ریاست جب

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ma04-07a islamiat and america.inp 8/22/2014 3:10 PM PAGE 1 (1,1)

خدا کو چیلنج دیتی ہے تو اس کی ساری تدبیریں اس کے منہ پر ماردی جاتی ہیں' شیطانی مکر وتدابیر کے مقابلہ میں خدا کی تدبیریں غالب ہو کر رہتی ہیں۔ البتہ اس دنیا میں امتحان اس بات کا ہے کہ وہ کون صاحبِ ایمان لوگ ہیں جو شیطانی تدبیروں کو ناکام بنانے اور خدائی مقاصد کے لیے اپنی توانائیاں بروئے کار لاتے ہیں۔ اس طرح کے خوش نصیب افراد کے لیے ہی دائمی فوز وفلاح کی خوشخبری ہے۔

عالمِ اسلام میں تحریکِ اسلامیت کو مسخر کرنے اور مسلمانوں کو حیوان بنانے کے لیے امریکہ نے جو نئی حکمت عملی تشکیل دی ہے' انعام خواجہ نے زیر نظر مضمون میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے مضمون کے بعد اس چیلنج کے مقابلہ کے لیے ہم نے حالات کے تجزیہ کے ساتھ دینی ومذہبی جماعتوں کے سامنے دردمندی سے کچھ اہم معروضات پیش کی ہیں۔ (محمد موسیٰ بھٹو)

(۱)

یو ایس نیوز اور ورلڈ رپورٹ نے ۲۵/اپریل کو مقالہ شائع کیا جس کا عنوان تھا ''دل' دماغ اور ڈالر''۔ انہوں نے تقریباً سولوگوں سے انٹرویو کیے اور تقریباً ایک درجن رپورٹوں پر غور کیا۔ اس نے بہت واشگاف الفاظ میں لکھا کہ امریکہ محض ایک تماشائی کی طرح بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا کہ دینِ اسلام' سیاست اور مذہب کو ایک ہی نظام کا حصہ سمجھتا ہے' جس میں وہ لوگ بھی ہیں جو انتہا پسند ہیں اور وہ لوگ بھی جو ایک معتدل رویہ رکھتے ہیں' جن کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے یا اسلام میں اصلاحات کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا جائے' اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

مضمون میں کہا گیا ہے کہ ۲۰۰۴ء تک جو امریکی کاوشیں کی گئیں ان میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مالی اور افرادی قوت کا فقدان تھا۔ اب اس کمی کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ اب اس اہم کام کی نگرانی کے لیے' ایک ڈپٹی نیشنل سکیورٹی مشیر برائے منصوبہ بندی واطلاع اور عالمی اثر ورسوخ کی اہمیت کا حامل ایک عہدہ رکھا گیا ہے' جو وائٹ ہاؤس سے منسلک ہو گا۔ اس میں وہ تمام افراد شامل ہوں گے جن کا تعلق فوجی اور نفسیاتی کارروائیوں سے ہو گا۔ سی آئی اے کی کارروائیاں خفیہ تو ہوتی ہی ہیں' لیکن اب اس کام کے لیے وہ کھلم کھلا میڈیا کے افراد اور دیگر اصحابِ فکر کو بھی بھاری رقوم دے رہے ہیں۔ واشنگٹن والے کروڑوں ڈالر اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ مسلم معاشرے پر اپنا اثر ورسوخ بڑھائیں!

اب ہدف صرف مسلمان نہیں بلکہ دینِ اسلام ہے۔ امریکہ نے اعلان کیا کہ وہ اسلام کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ میں جو لوگ اس تحریک کے بانی ہیں وہ اس سے پہلے یہی حرکت عیسائی مذہب کے ساتھ کر چکے ہیں' اور آج اس کام کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں گرجا گھر بک رہے ہیں اور لوگ اپنے مذہب سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسلام کو بھی وہ یہی تحفہ دینا چاہتے ہیں۔

اس تحریک کے سب سے سرگرم حامی اور محرک کونڈا لیزا رائس' پال ولفووچ اور کیرن ہیوز ہیں۔ کیرن ہیوز عرصہ دراز سے صدر بش کی ابلاغیات کی مشیر ہیں۔ یہ خاتون اب اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (امریکی وزارت خارجہ) کے پبلک ڈپلومیسی شعبہ کی سربراہ بنا دی گئی ہیں' حالانکہ انہیں خارجہ معاملات کا کوئی تجربہ نہیں ہے' البتہ انہیں اطلاعات اور نشریات میں خاص تجربہ ہے' دراصل یہی ان کے عروج کا زینہ ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آج کل کونڈا لیزا رائیس امریکہ کی وزیر خارجہ ہیں' جبکہ جناب پال ولفووچ عالمی بینک کے صدر ہیں۔ اس منصوبے کے تحت ڈپٹی نیشنل سکیورٹی مشیر برائے عالمی منصوبہ بندی برائے اطلاعات و نشریات و اثر و رسوخ' اب سی آئی اے' وزارتِ دفاع' وزارت خارجہ' یو ایس تعلقات عامہ (U.S.I.A) اور بین الاقوامی ڈیولپمنٹ (U.S.AID) کے اداروں کے درمیان رابطہ قائم کریں گی۔ سی آئی اے کے یہ تمام روابط خفیہ ہوں گے' جن کا مقصد سیاسی جماعتوں' سیاست دانوں' ادیبوں' صحافیوں اور دینی رہنماؤں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا ہوگا۔ یاد ہوگا سرد جنگ کے زمانے میں بھی خفیہ مالی امداد کے ذریعے اٹلی اور جاپان کی سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کر لیا گیا تھا۔

اب امریکہ کی وزارت دفاع (پینٹا گون) کی کارروائیاں نفسیاتی میدان میں اس طرح ترتیب دی جائیں گی کہ رائے عامہ پر ریڈیو اور ٹی وی کی نشریات کے ذریعے اثر انداز ہوا جائے۔ اس سلسلے میں عربی چینل اور ریڈیو کے پروگرام' جو تقریباً ساری عرب دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں' اپنا کام خاطر خواہ طور پر کر رہے ہیں' یہ ایک دفتر بھی چلا رہے ہیں' جہاں پروگرام اور پالیسی سازی کا کام بھی ہو رہا ہے۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (امریکی وزارتِ خارجہ) میں یہ کام' پبلک ڈپلومیسی والے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس ادارے کی سربراہ کیرن ہیوز ہیں' جو براہِ راست صدر بش تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ ادارہ اپنی کارروائی یو ایس آئی اے (U.S.I.A) کے ذریعے کرتا ہے' جو تعلقاتِ عامہ کا محکمہ ہے' اس ادارے

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms04-07a islamiat and america.inp 8/22/2014 3:10 PM PAGE 2 (1,1)

کے ذریعے لائبریریاں اور ثقافتی ادارے چلائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ اسکالرشپ بھی دیتا ہے‘ فلم بناتا ہے اور باہمی رابطوں اور مقابلوں کے پروگرام‘ تربیتی پروگرام جن کا مقصد ان پروگراموں کے ذریعے امریکہ کے اہداف کے لیے ان لوگوں کے دلوں میں نرم گوشے پیدا کرنا ہے‘ ترتیب دیتا ہے اور اسی کے ذریعے سی آئی اے اپنے نئے کارکن بھرتی کرتا ہے۔

اس کام میں رابطوں اور تعاون کے لیے واشنگٹن ڈی سی‘ لندن اور اسلام آباد میں دفاتر کھولے جاچکے ہیں۔ یہ مراکز جلد از جلد خبریں پہنچانے‘ جذبات کی آگ بجھانے کا کام کرتے ہیں۔ متواتر خبروں کی نشریات سے زیادہ مؤثر طریقے سے یہ کام کیا جارہا ہے‘ جس طرح سرد جنگ میں کام ہوتا رہا ہے۔

اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ماضی میں امریکہ کی یہ کارروائیاں ۲۰۰۴ء کے وسط تک مکمل طور پر باہمی رابطے قائم نہ کر پائیں‘ نہ اس کے پاس ان کے لیے رقم تھی۔ اب ایک نیشنل ڈپٹی سیکیورٹی مشیر کے تقرر سے یہ کمزوریاں دور کر دی گئی ہیں اور کانگریس نے اس کے لیے رقم مختص کر دی ہے۔ اب یہ پروگرام زور و شور اور سرگرمی سے چلایا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے صدر بش نے سی آئی اے کو حکم دیا کہ اسلامی دہشت گردوں کی جڑوں تک پہنچ کر اس کی مکمل بیخ کنی کر دی جائے‘ اب اس نئی تدبیر کو وائٹ ہاؤس میں ''اسلامی دنیا میں نفوذ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس پالیسی پر وائٹ ہاؤس اور تمام امریکی حکومت عمل پیرا ہے۔ اس پالیسی کے نمایاں اہداف (Targets) درج ذیل ہیں:

۱) معلوم کیا جائے کہ عالمِ اسلام میں کیا ہو رہا ہے؟

۲) بنیادی مقصد‘ مغربی لادینی (سیکولر) جمہوری نظریات کی اشاعت و ترویج ہے۔

۳) آزادیٔ نسواں پر زور ہے‘ خاص طور پر ان کے حقوق اور ان کی آزادی پر‘ مخلوط میل ملاپ پر۔

۴) نجی فاؤنڈیشن اور غیر منافع بخش انجمنوں (N.G.Os) کے ذریعے سے‘ مسلم ریاستوں کی مدد۔

۵) اعتدال پسندوں کے ہاتھ مضبوط کرنا۔

۶) صیہونی تحریکوں کے ذریعے اصلاحات کی حوصلہ افزائی۔

۷) اخوان المسلمین کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش۔

۸) پاکستان میں ایک خاص دینی جماعت کے ساتھ تعلقات استوار کرنا۔
۹) پاکستانی علماء کی مالی معاونت' تاکہ اپنے مطلب کے ایسے فتوے لیے جاسکیں جو امریکی مفاد میں ہوں۔
۱۰) فرضی جہادی تنظیمیں قائم کرنا' تاکہ ان میں داخل ہونے والے مخلص مجاہدین کو بھانپا جاسکے۔
۱۱) آج کل امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (وزارتِ خارجہ) کے پبلک سفارتی شعبے کے اہداف انڈونیشیا' مصر' نائیجریا' چین' فرانس اور وینزویلا ہیں۔
۱۲) مدارس کا اثر ختم کرنے کے لیے ابتدائی اسلامی اسکول قائم کیے جائیں' خاص طور پر پاکستان اور انڈونیشیا میں۔
۱۳) مسلم ممالک میں تدریسی نصاب کو تبدیل کیا جائے۔
۱۴) مسلم مفکرین میں اثر ونفوذ پیدا کیا جائے۔
۱۵) امریکی امداد کے ذریعے مسلمانوں کے متبرّک مقامات کی مرمت اور آرائش' اسلامی مخطوطوں کی مرمت اور حفاظت' قرآن مجید کے پرانے اوراق بوسیدہ کلام مجید کی حفاظت' اعتماد سازی کے ایسے کئی کام کرنا جو پہلے پاکستان' مصر' ترکمانستان' کرغیزستان اور ازبکستان میں شروع کیے جاچکے ہیں۔
۱۶) مساجد کے اماموں کی تربیت' یہ کام برصغیر کے ایک مسلمان ملک میں ہو رہا ہے۔

امریکہ کا یہ ہمہ جہتی پروگرام شروع کیا جاچکا ہے تاکہ اسلام کے خدوخال مکمل طور پر تبدیل کردیے جائیں' جس کا ذکر ابھی کیا جاچکا ہے۔ اس کے لیے اہداف مقرر کیے گئے ہیں' افرادی قوت اور رقوم مختص کردی گئی ہیں۔ اب پورے جوش وخروش سے اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

(۲)

عالمِ اسلام سے اسلامی اثرات کو مٹانے کے سلسلہ میں امریکہ کی نئی حکمتِ عملی کی تفصیلات آپ نے پڑھ لیں۔ جہاں تک اس ایقان کا تعلق ہے کہ اسلام کا محافظ خدا ہے' اسے قیامت تک اس دین کو قائم رکھنا ہے' اس لیے وہ اس دین کے تحفظ کی صورتیں ضرور نکالے گا' اس یقین میں کوئی شک نہیں' لیکن اسباب کی دنیا میں جب حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms04-07a islamiat and america.inp 8/22/2014 3:10 PM PAGE 3 (1,1)

افسوس ناک صورت حال نظر آتی ہے۔

عالمِ اسلام میں ایران اور پاکستان ہی دو ایسے ممالک ہیں‘ جہاں امریکہ دشمنی کی فضا سخت ہے اور جو امریکہ کے خلاف مزاحمتی تحریک میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں‘ اور تحفظِ اسلام کے سلسلہ میں یہ دونوں ممالک امریکہ کی حکمت عملی کو ناکام بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان دو ممالک کے علاوہ ترکی‘ انڈونیشیا‘ مصر‘ سعودی عرب‘ متحدہ عرب ریاستیں اور روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں کے بارے میں اس سلسلہ میں زیادہ توقعات نہیں رکھی جاسکتیں‘ اس لیے کہ ان ممالک میں طویل عرصہ سے امریکہ کا نفوذ اتنا زیادہ ہے کہ ان ممالک کے حکمرانوں اور مؤثر طبقات کے لیے امریکہ کی حکمت عملی کو ناکام بنانے کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ جرأتِ رندانہ کا فقدان ہے‘ بلکہ اسلامی حمیت اور دینی حس بھی بے حد کمزور ہے۔

ایران اپنے ملک کی حد تک تو امریکہ کے خلاف مؤثر کردار ادا کرے گا‘ لیکن عالمِ اسلام کو امریکی حکمت عملی سے بچانے کے سلسلہ میں اس سے کسی کردار کی توقع رکھنا عبث ہے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو پاکستان میں عوامی سطح پر امریکہ کے سامراجی کردار کا نقش لوگوں کے ذہنوں میں پوری طرح موجود ہے اور رائے عامہ کو امریکی مقاصد کے خلاف ابھار کر حکمرانوں پر دباؤ ڈال کر امریکہ کی پالیسیوں کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن مسئلہ عوامی دباؤ کا نہیں‘ مسئلہ ہمہ جہتی پہلوؤں کا حامل ہے۔ مسئلہ کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ عوامی سطح پر نفسانیت‘ حیوانیت‘ اباحیت‘ مادر پدر آزادی اور بدتہذیبی کی جو تحریکِ جدید تیز ابلاغی ذرائع سے ایک عرصہ سے شروع کی گئی ہے‘ بدتہذیبی کی اس تحریک کے خلاف عوامی سطح پر آیا حمیت کی کوئی فضا موجود ہے یا نہیں؟

مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ معاشرے کے سارے مؤثر طبقات سول اور فوجی نوکر شاہی کا طبقہ‘ چھوٹے بڑے سرمایہ داروں کا طبقہ‘ سیاست دانوں‘ وکیلوں‘ دانشوروں اور تعلیمی اداروں سے وابستہ اہلِ علم کا طبقہ‘ کیا ان سارے طبقات میں تہذیبِ جدید کے خلاف نفرت اور اسلامی تہذیب کے تحفظ و بقا کا کوئی جذبہ موجود ہے یا نہیں؟

مسئلہ کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ دینی مدارس سے وابستہ علماء اور شاگردوں کا طبقہ‘ یہ مدارس کے تحفظ کے سلسلہ میں تو پُر جوش ہے اور اس سلسلہ میں وہ مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے‘ لیکن ایک تو یہ طبقہ معاشرہ پر اثر انداز ہونے کے سلسلہ میں بڑی حد تک غیر مؤثر ہو چکا ہے‘ دوم یہ کہ کیا اس طبقہ کی اپنی دینی‘ اخلاقی و روحانی حالت اور ایمان و یقین کی باطنی کیفیت اتنی

مستحکم اور طاقتور ہے کہ وہ امریکہ کے پھیلائے ہوئے حرص و ہوس کے جال سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکے؟

مسئلہ کا چوتھا پہلو دینی' سیاسی جماعتوں کے اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' سے تعلق رکھتا ہے۔کیا مجلس عمل ملک کے تہذیبی تشخص کے تحفظ' اسلامیت کی بقا اور تہذیبِ جدید کی روک تھام کے لیے اجتماعی فیصلوں کے ذریعہ مؤثر حکمتِ عملی کی راہ پر بھی گامزن ہے یا اس کا دائرہ کار محض سیاسی اقدامات' کارروائیوں اور فیصلوں تک محدود ہے' اور اس نے حکومت کے غلط سیاسی فیصلوں کے خلاف اسمبلی میں آواز بلند کرنے اور احتجاج و مظاہروں تک اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے؟ اس سلسلہ میں متحدہ مجلس عمل کے اب تک کے فیصلوں سے تو یہی نظر آتا ہے کہ یہ اتحاد سیاسی سطح تک محدود ہے' تہذیبی یلغار کی روک تھام کا پروگرام اس اتحاد کے لائحہ عمل کا حصہ نہیں۔

مسئلہ کے ان سارے پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خوش فہمی کا کوئی بڑا جواز پیدا نہیں ہو پاتا۔

ہمارے حکمرانوں کی امریکی مقاصد سے فکری ہم آہنگی مسلّمہ ہے' چنانچہ ہماری معیشت' ہماری تعلیم اور ہماری ثقافتی' تہذیبی اور ذہنی نشوونما کی ساری پالیسیوں کی تشکیل کی باگ امریکہ کے حوالہ کی جا چکی ہے' اور ہماری سول اور فوجی قیادت نے امریکہ کو یقین دہانی کرا دی ہے کہ پانچ سات سالوں کے اندر اندر پاکستان کو بڑی حد تک اتاترک کے ترکی کے نقشِ قدم پر ڈال دیا جائے گا اور اس عرصہ میں پاکستان عالمِ اسلام کا سب سے بڑا سیکولر ملک بن کر سامنے آئے گا۔ اس مقصد کے لیے ہمارے حکمرانوں نے تیز رفتاری سے اقدامات شروع کر دیے ہیں۔ اسمبلیوں میں تیس فیصد خواتین کی نمائندگی کا کوٹہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کی بڑی اسامیوں پر دس فیصد عورتوں کی تقرری کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام کی باگ آغا خان بورڈ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ معاشرہ کی سطح پر ملک کو این جی اوز کے حوالے کر دیا گیا ہے' جو ملک میں عورتوں کی آزادی اور بد تہذیبی کو فروغ دینے کے لیے آخری حد تک کوشاں ہیں۔ ملک کے بڑے بڑے قومی اثاثے (جو کسی قوم کا بڑا سرمایہ ہوتے ہیں) بڑی حد تک ایسے اداروں کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے ہیں' جو امریکہ یا ملٹی نیشنلز کے آلہ کار ہیں۔

اسلام' اسلامیت اور اسلامی اثرات کو مٹانے اور مسلمانوں کے اتحاد کا شیرازہ بکھیرنے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms04-07a islamiat and america.inp 8/22/2014 3:11 PM PAGE 4 (1,1)

اور مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو توڑنے کے سلسلہ میں امریکہ کی منصوبہ بندی کوئی نئی نہیں ہے۔ امریکہ اس پالیسی پر پچاس سال سے گامزن ہے‘ لیکن اس کے اس منصوبہ میں نئی قوت اور جارحانہ عزم وحوصلہ کے ساتھ بیشتر توانائیوں کے استعمال کی حکمت عملی اور اسلام دشمنی کے جذبے میں انتہا پسندی اب پچھلے چند سال سے آئی ہے۔ ہمارے ہاں پچھلے پندرہ سال میں امریکہ کی اس حکمت عملی کے نتیجہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے سامنے چند غریب اور سادہ لوح گمنام مذہبی شخصیتیں سامنے آئیں اور انہوں نے سپاہ صحابہ‘ سپاہ محمد‘ جیش محمد اور لشکر جھنگوی کے نام سے تنظیمیں قائم کر کے مذہبی دنیا میں ایسا اودھم مچایا کہ قتل وغارت گری کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان سادہ لوح مولویوں کے پاس اچانک اتنے وسائل آ گئے کہ دفاتر‘ ہمہ وقتی کارکنوں کی ٹیمیں‘ گاڑیاں اور نعروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا اور سارا ملک چند مولویوں کی آتش بیانیوں سے شعلہ زار بن گیا۔

بظاہر ناممکن صورت حال دیکھتے ہی دیکھتے ممکن ہوگئی۔ اسی طرح ۱۵‘۱۸ سال پہلے کراچی میں مہاجر نیشنلزم کی تحریک ایک شخص کی قیادت میں اس طرح منظم ہوگئی کہ اس نے ۱۵ سال تک کراچی کے امن وامان کو غارت کر دیا اور ہزاروں نوجوانوں کو نیشنلزم کے جہنم میں جھونک دیا‘ اور یہ قیادت اب بھی دشمن ملک میں رہ کر کراچی میں آگ وخون برپا کرنے کی کاوشوں میں مصروف ہے۔

یہ سب اسی دشمن کی منصوبہ بندی ہی کا تو حصہ ہے۔ اب ۲۰۰۴ء میں اربوں روپے کے استعمال سے اسلامیت کے خاتمہ کے لیے جو نئی حکمت عملی سامنے آئی ہے‘ اگر بروقت اس کے توڑ کے لیے مذہبی قوتوں کی طرف سے ہمہ جہتی منصوبہ بندی کے ساتھ کام نہ کیا گیا تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے معاشرے بدتہذیبی کے کس عظیم طوفان سے دوچار ہو سکتے ہیں اور کس طرح قیامت سے پہلے قیامت برپا ہو سکتی ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ پاکستان میں دینی اور مذہبی قوتیں افرادِ کار کے اعتبار سے اب بھی طاقتور ہیں اور کارکنوں کے اعتبار سے وہ اب بھی مال دار ہیں۔ جہاد و قتال کے لیے تو ہماری مذہبی جماعتیں اب بھی ہزاروں سے زائد کارکن فراہم کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں‘ لیکن اس وقت ہمیں جو چیلنج درپیش ہے وہ معرکۂ ایمان و مادیت کا ہے اور تہذیبی یلغار کا چیلنج ہے۔ اس چیلنج کے مقابلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ مذہبی و دینی جماعتیں اپنی ساری ترجیحات کو تبدیل کر کے اپنے ملک بھر کے منتخب کارکنوں کی ایک تو اخلاقی

وروحانی تربیت کا انتظام واہتمام کریں‘ ان کے ایمان ویقین کو مستحکم کرنے کے لیے انہیں قرآن وسنت اور سلف صالحین کے تجربات سے ماخوذ ذکر وفکر کا ایک کورس دیں‘ اس کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکیں کہ وہ اس دعوتی کام کے لیے سراپا مجسمۂ عمل ہو جائیں‘ اور وہ حمیتِ ایمانی سے اتنے سرشار ہو جائیں کہ منکر کو دیکھنا ان کے لیے دشوار ہو جائے۔

اگر ہماری ساری جماعتیں اپنے منتخب کارکنوں کے لیے اس طرح کا تربیتی پروگرام متشکل دے کر ان کے لیے مرکزی سطح پر ۱۵‘ ۱۵ روزہ پروگرام منعقد فرمائیں اور نئے خطوط پر ذہن سازی کریں اور اپنی ترجیحات میں اسلامیت وملت اسلامیہ کے تحفظ کو اوّلین درجہ دیں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ تہذیب جدید کے فروغ کے خلاف ملک میں معاشرہ کی سطح پر ہمہ جہتی تحریک شروع ہو سکتی ہے اور یہ تحریک تجدید ایمان کی تحریک کی تمہید ثابت ہو گی۔

یہی وہ طریق ہے جس سے ہم ایک طرف تو مادہ پرست عالمی تحریک کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو دوسری طرف خدا کی مدد کے بھی مستحق بن سکتے ہیں۔

کیا دینی ومذہبی جماعتوں سے توقع رکھی جائے کہ وہ ہمارے ان بیان کردہ نکات پر غور وفکر فرمائیں گے؟

❁❁❁

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms04-07a islamiat and america.inp 8/22/2014 3:11 PM PAGE 5 (1,1)

توضیح و تنقیح

بعض شیعہ علماء کی جانب سے
بانیٔ تنظیم اسلامی پر عائد شدہ الزامات
اور ایک شیعہ دانشور خاتون کا خط
بنام مولانا عون محمد صاحب

☆

شیعہ علماء اور ذاکرین کی پریس کانفرنس کا پریس ریلیز

ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان
مرکزی رابطہ دفتر کمرہ نمبر 5 ، رضویہ امام بارگاہ ، ناظم آباد ، کراچی
فیکس نمبر: 6621221 ، فون نمبر: 6701776 ، موبائل: 0300-8267261

پریس کانفرنس بمقام کراچی پریس کلب

ڈاکٹر اسرار احمد کو توہین قرآن پر گرفتار کر کے سزا دی جائے ، عون نقوی

میڈیا کی آزادی کے نام پر اسلام کا چہرہ مسخ نہ کیا جائے

QTV پر ڈاکٹر اسرار ذاتی نظریات کو اسلام کا رنگ دے رہے ہیں

قرآن و اہل بیت رسول کی توہین پر ڈاکٹر اسرار گرفتار نہ ہوئے تو سخت احتجاج ہوگا

کراچی پریس کلب میں شیعہ علماء کا ڈاکٹر اسرار کو مناظرے کا چیلنج

کراچی: سازش کے ذریعے غیر محسوس طریقے سے میڈیا پر اسلام کا اصل چہرہ تبدیل کر کے نئے دین کی طرف نئی نسل کو لے جایا جا رہا ہے اور یہود و نصاریٰ کے ایجنڈے پر بانی خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد عرصہ دراز سے ملت اسلامیہ میں افتراق اور انتشار پیدا کرنے

کی کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنی تحریرات' تقاریر اور QTV/ARY پر قرآن مجید' اہلبیت اطہار اور اسلام کے بنیادی اصولوں کو پامال کر رہے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کی توہین اور بے حرمتی دنیا کے کسی کونے میں برداشت نہیں کی جائے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد قرآن کو QTV پر مصحف عثمانی کہہ کر توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس قرآن میں غلطیاں ہیں' جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کیا ہے' وہ لوح محفوظ میں ہے یہ قرآن اصل نہیں ہے۔اس طرح ڈاکٹر اسرار احمد نے تحریف قرآن کا ارتکاب کیا ہے۔ ان خرافات کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد نے QTV اور اپنی تقاریر میں حضرت رسول خداﷺ پر جادو کے اثر کا اور پنجتن پاک اہلبیت رسولﷺ کے فضائل کے انکار کا ذکر مسلسل کرنے کے علاوہ حضرت امام مہدی کے بارے میں ملت اسلامیہ کو گمراہ کن نظریات دیے ہیں۔ دو سال قبل لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد نے امام مہدی کے بارے میں غلط تقریریں کیں جس کا مدلل جواب علامہ طالب جوہری نے الحمرا ہال لاہور میں دیا۔اس کے علاوہ QTV پر 10 محرم کے بعد یزید کی طرف سے خانوادۂ اہلبیت کی قید و بند کی تکالیف کو غلط قرار دے کر نہ صرف چودہ سو سالہ تاریخ کو مسخ کیا ہے بلکہ یزید کے مظالم کو تقویت پہنچا کر رسول اکرمﷺ کو اذیت دے کر کفر کا اظہار کیا۔ ہم شیعہ علماء ڈاکٹر اسرار احمد کو کسی بھی آزاد میڈیا (چینل) پر کھلے عام عظمت قرآن' بعثت خاتم النبیینﷺ اور فضائل اہلبیت پر مناظرے کا چیلنج دیتے ہیں۔اور QTV سے سخت احتجاج کرتے ہیں کہ وہ میڈیا کی آزادی کا غلط مفہوم نہ لے اور اسلام کا چہرہ مسخ کرنے والوں کو QTV پر وقت نہ دے۔ ہم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ شاتم قرآن اور اہل بیت رسول ڈاکٹر اسرار احمد کو فوری طور پر گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔ QTV/ARY اسلام دشمن عناصر کو ہرگز پروگرام میں نہ بلائیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی تمام کتب' کیسٹس' آڈیو ویڈیو' سی ڈیز کو ضبط کیا جائے۔

اگر حکومت پاکستان اور QTV نے ہمارے مطالبے پر 15 دن میں مثبت جواب نہ دیا تو سخت احتجاج ہوگا۔ آئندہ لائحہ عمل کا پندرہ دن بعد اعلان کیا جائے گا۔

شرکاء پریس کانفرنس: مولانا سید اکرام حسین ترمذی' مولانا شہنشاہ حسین نقوی' مولانا عابد قمبری' علامہ شبیر الحسن طاہری' مولانا دیدار جلبانی' مولانا عزادار حسین' مولانا اکبر ناصری' مولانا رجب علی بنگش' مولانا غلام رضا جعفری' مولانا حیدر علی نقوی' مولانا سخاوت حسین حیدری' مولانا عباس مہدی' مولانا نذر مہدی اور دیگر علمائے کرام

محترمہ بلقیس سبزواری کا خط

محترمہ بلقیس قمر سبزواری سے قارئین ''میثاق'' بخوبی متعارف ہیں۔ وہ اپنے والد مرحوم علامہ پروفیسر سید قمر الزمان سبزواری کی طرح اپنے مسلک پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے وسعت ظرفی وقلبی کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ شیعہ علماء و ذاکرین کی پریس کانفرنس کے پریس ریلیز کی اشاعت کے بعد محترمہ بلقیس سبزواری نے مولانا عون محمد صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر کیا:

سمجھے تھے جو شعور کو ان کے عظیم تر
اٹھا ہے بے یقینی کا طوفاں اُنہی سے آج

محترم مولانا سید محمد عون نقوی صاحب
سربراہِ ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان
چیئرمین حج وعمرہ وزیارات کمیٹی' خطیب مسجد اقصیٰ

السلام علیکم!

میں نے آپ کا مراسلہ بنام محترم ڈاکٹر اسرار احمد پڑھا۔ اعتراضات سامنے آئے:

۱) ڈاکٹر اسرار کو توہین قرآن پر گرفتار کر کے سزا دی جائے۔
۲) میڈیا کی آزادی کے نام پر اسلام کا چہرہ مسخ نہ کیا جائے۔
۳) ڈاکٹر اسرار ذاتی نظریات کو اسلام کا رنگ دے رہے ہیں۔
۴) قرآن اور اہل بیت کی توہین پر ڈاکٹر صاحب گرفتار نہ ہوئے تو سخت احتجاج ہوگا۔
۵) ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں غلطیاں ہیں اور یہ اصل قرآن نہیں ہے۔
۶) اہل بیت کی قید وبند کی تکالیف کو غلط قرار دے کر چودہ سو سالہ تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے اور یزید کے ظلم کو تقویت پہنچا کر کفر کا اظہار کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا الزامات جان کر دکھ بھی ہوا اور حیرانی بھی۔

علامہ صاحب! فکری اختلاف کو اسلام نے نہیں روکا' فکری اختلاف ذہنی تبدیلی کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں اور کچھ اختلافی' اور اختلافی باتوں کا افہام وتفہیم سے حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کو روانی سے پڑھنا اور مُردوں کو ثواب پہنچانا اور

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms20-06 khatoot shiea ulma.inp 8/22/2014 3:15 PM PAGE 2 (1,1)

بات ہے لیکن قرآن کو جاننا اور مختلف پہلوؤں کی جہت کو سمجھنا الگ منطق ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ایک قابل احترام اور معتبر شخصیت ہیں۔ آپ کی پوری زندگی احکامِ الٰہی کی تبلیغ، علم القرآن کی تحصیل اور تعلیماتِ قرآن کی تعمیل میں گزر گئی۔ آپ نے قرآن کی تعلیم کے لیے درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا تا کہ وضاحت ہو سکے۔ جگہ جگہ ''قرآن اکیڈمی'' کا قیام عوام کی سہولت کے لیے ہے۔ یہاں سے ہزاروں علماء اور آرزومند طلبہ استفادہ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عالمانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ چونکہ علم القرآن پر عبور ہے' لہٰذا تحمل مزاجی سے ماحول کو خوشگوار بنانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں وہ دین میں نئے نظریات پیش کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ان کے اسلامی جذبوں کی قدر کرنی چاہیے تا کہ ان کے افکار و تجربات کی روشنی میں ہم تحریک انقلابِ اسلامی کو آگے بڑھا سکیں۔ ہمیں تعصب' تنگ دلی اور قیاس سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام کو فروغ دینے اور تحریک الٰہی سے روشناس کرانے کا واحد ذریعہ ہم آہنگی ہے۔ میں نے اپنے ذوقِ مطالعہ کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ہے جن میں سے ''شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت'' ''دینی فرائض کا جامع تصور'' اور ''مثیلِ عیسیٰؑ: علی مرتضیٰؓ'' اہمیت کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ''شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت'' میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ایران کے علماء جو برسراقتدار ہیں ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شیعہ سنی دونوں فریق میں موجودہ قرآن پر کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتے۔

مولانا صاحب! ڈاکٹر صاحب قرآن کا مفہوم بھی بدل دیں پھر بھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' کیونکہ اس کی حفاظت کا وعدہ خود خالق اکبر نے کیا ہے اور ہر مسلمان کا اس پر ایمان ہے۔ رہا اسلام تو وہ خود ہمارے حوالوں میں آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہے' جہاں اسلامی فلسفہ کے سارے اصول پامال ہو رہے ہیں۔ پوری مسلم قوم اور علماء اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حقیقی اور شعوری ایمان کا سرچشمہ قرآن حکیم ہی ہے جس پر غور و تدبر سے ایمان مستحکم ہوتا ہے۔ ہمیں تنقیدی گفتگو میں بھی بامعنی راستہ اختیار کرنا چاہیے تا کہ عقائد میں توازن پیدا ہو۔ قرآن کی تفہیم و تحقیق سے نہ صرف موضوعات اور خیالات ملتے ہیں بلکہ آج کے انسانی علوم کے اہم مسائل بھی دریافت ہوتے ہیں جن کا تعلق تاریخ اور عمرانیات سے ہے۔ آج ہماری قوم کے لاکھوں افراد قرآن فہم نہیں ہیں۔ جن کے امام کے سرِ بُریدہ

نے نیزے پر تلاوت کی ہو' وہ قوم قرآن کے علم سے بے بہرہ ہے اور یہ ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ قرآنی رموز سے عوام کو شناسا کرائیں کیونکہ علم القرآن کے بغیر اسلامی قوانین کا تصور محال ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ قرآن کے مطالعے سے ہم زیادہ سے زیادہ قربتِ الٰہی اور عرفان حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو کہ قرآن اس سرزمین کی زندگی پر گفتگو کر رہا ہے یا حیات بعد الممات پر۔ کیا یہ انفرادی اور اخلاقی اُمور کے بارے میں مخاطب ہے یا معاشرتی معاملات میں۔ کیا اس کے حوالے زیادہ مادی ہیں یا روحانی۔ کیا یہ فطرت سے ہم آہنگ ہے یا افراد سے۔ اور وہ کون سے مسائل ہیں جن پر غور کیا گیا۔ اسلام کی روح اور بنیادی حقیقت کو جاننے کے لیے قرآن کا مطالعہ بہت ضروری ہے اور یہی اسلامی اور سائنسی فریضہ بھی ہے۔ قرآن کی تعلیم کو صرف ایک نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ قرآن مختلف سطحوں کی مثال ہے جس سے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف سائنسی علوم کا استخراج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی جامعیت کے ساتھ معاشرتی پہلوؤں پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے تاکہ گفتگو عام فہم ہو۔ شمالی افریقہ اور دوسرے ممالک میں بھی عملی بیداری اُس وقت شروع ہوئی جب علماء نے مطالعہ کی بنیاد قرآنی حوالوں پر رکھی اور دینی تحقیق آگے بڑھائی۔

موجودہ سائنسی دور میں لوگوں کے خیالات اور تہذیب میں جو خطرناک تبدیلی آ رہی ہے' اس کی وجہ صرف علماء کی لاپروائی اور بے حسی ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ قرآن مجید کی تاویل' تنزیل' تدوین اور اعراب کی محافظت کے سلسلے میں صاحبانِ تطہیر حضرات اہل بیت اطہار تشویش میں ہیں۔

علامہ صاحب! آپ کی کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن کی اصل عظمت کو اس کی گفتگو اور مفہوم سے واضح کیا جائے۔

خدا نے نبی اکرم ﷺ کے سینہ کو اپنے نور کا محور قرار دیا اور قرآن مجید کو قلبِ رسول پر نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عظمت اور جلالت کے ساتھ منزلِ قرآن کو بھی واضح کیا ہے۔ دراصل ہمارے دوسرے بھائی منزل اہل بیت کو اس طرح نہیں سمجھتے کیونکہ اہل بیت ان کے لیے اسلام نہیں ہیں۔ وہ اللہ' رسولؐ اور کتاب و سنت پر یقین رکھتے ہیں' یہ تو اپنا اپنا انداز وابستگی ہے' ہم انہیں خارج از اسلام قرار نہیں دے سکتے اور نہ ہی کوئی سزا ممکن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے امام مہدی کے بارے میں اپنی کتاب میں اپنے نظریات کا اظہار کیا

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms20-06 khatoot shiea ulma.inp 8/22/2014 3:15 PM PAGE 3 (1,1)

ہے کہ شیعہ سنی میں یہ بات مشترک ہے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد اور حضرت امام حسنؓ کی نسل سے ہوں گے اور عرب کے مقدس شہر مکہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ البتہ آپ غیبتِ کبریٰ کے قائل نہیں ہیں۔ اصل بات دین میں تفرقہ نہ پیدا کرنا اور خوشگوار فضا کو قائم رکھنا ہے کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی جنگ اور تباہی کا حامی نہیں ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''گیتا'' میں بھی جب انسان کرما کی فلاسفی (فلسفہ عمل) کا گیان حاصل کرلیتا ہے تو امر ہوجاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی کرما کی فلاسفی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ہم نے جنت کے لالچ میں اپنے اندر ہزاروں دوزخ پیدا کر لیے ہیں۔ ہماری عبادتیں بھی انشورنس پالیسی کی طرح ہیں اور ہم اپنی موت کو بھی کیش کرانا چاہتے ہیں۔ ہمارا عمل اس آگ کی طرح ہے جس میں دھواں شامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے شعلے بلند نہیں ہوتے۔ ہمارے عمل میں دھواں نہیں ہونا چاہیے۔

علامہ صاحب! ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ ہمیں دل آزاری اور عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے شائستگی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ صرف اپنے حق میں فیصلہ ہمارا منشور نہیں ہے۔ اہل بیت کے اعمال صالح سے ہم آہنگی اور ان کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے نمونہ عمل ہے' کیونکہ ہمیں ان سے قلبی لگاؤ اور عقیدت ہے' لیکن ہر مسلمان ان کے لیے اتنا ہی اظہار کرسکتا ہے جتنا ایمانِ قلبی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اہل بیت پر زیادہ ظلم نہیں ہوا تو یہ بھی گمراہ کن نظریہ نہیں کہا جاسکتا۔ اپنا فکری انداز ہے۔ اصل قباحت تو یہ ہے کہ حضرت قاسم کی شادی جو عمل میں لائی ہی نہیں گئی' اس کی تمام رسومات محرم کو ادا کی جاتی ہیں اور علماء کرام خاموش ہیں۔ اس بدعت کے خلاف احتجاج نہیں کرتے' کیونکہ یہ گریہ کا ایسا ذریعہ ہے جس سے مجلس میں رونق دوبالا ہوجاتی ہے۔

میرے خیال میں تو ڈاکٹر صاحب سزا کے سزاوار جب ہوں گے جب وہ یہ انکار کر دیں کہ سانحہ کربلا وجود میں ہی نہیں آیا اور یا یہ کہ یزید اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

محفل مصطفیﷺ میں جذب ہونے کا نام اسلام ہے اور کوئی آمر' کوئی طاغوت سچائی کے راستے کو نہیں روک سکتا' کیونکہ کوئی سازش کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو عارضی رکاوٹ ہوتی ہے۔ ہمارے دلوں میں اصل اسلام راسخ نہیں ہے بلکہ ہم تو اپنا احتساب کرنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ ہم سب تجرباتی منازل سے گزر رہے ہیں۔ اب ہمیں خوابوں میں بھی بیداری کا سفر کرنا چاہیے تاکہ ہم مادیت کے بجائے روحانیت کے قریب ہوں۔

علامہ صاحب! بری امام خاک ہو جائے یا مدینۃ العلم [1] آگ فاطمہؓ کے کسی در پر ہی کیوں نہ آ جائے' ہر رات شامِ غریباں میں ہی کیوں نہ تبدیل ہو جائے' پھر بھی اسلام کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ نقصان اُس وقت ہوتا ہے' جب افکار و خیالات بدل جائیں۔ جب اسلام اور قرآن کا احترام دلوں سے جاتا رہے۔ جب میڈیا کی آزادی کے نام پر فحاشی اور عریانیت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ بربریت' خون ریزی اور دہشت گردی شعار بن جائے۔ جب دین مذاق بن جائے۔ طلب دنیا بڑھ جائے۔ علماء مصلحتوں کے غلام بن کر رہ جائیں۔ محرم کو صرف کاروباری مہینہ سمجھا جائے۔ علماء مجالس کا معاوضہ بھاری رقوم میں وصول کریں۔ خمس ذاتی سرمایہ بن جائے۔ ایسے علماء کے لیے حکومت سے سخت سزا کا مطالبہ کرنا حق بجانب ہوگا۔

ہماری ذمہ داری دفاعِ کربلا ہے۔ مدینہ سے لے کر سجدۂ آخر تک حسینؑ ابن علیؑ کے سفر میں اسلامی رنگ تھا۔ ہر منزل پہ اپنا تعارف اسلام اور ایمان سے کراتے رہے۔ اس سفر کو تشبیہات اور تلمیحات سے اجاگر کرنے کے بجائے مقصد اور عمل کو شفاف لفظوں میں بیان کریں۔ کلام میں تبدیلی کی وجہ سے رخ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہمارا یہ سفر اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ کیا ہم قیامِ حسینؑ ابن علیؑ کا مطلب سمجھ رہے ہیں یا خطبۂ آخر سے نظریں چرا رہے ہیں؟ کیا ہم اُن اہداف و مقاصد کی پاسداری کر رہے ہیں؟

کیا ہم محرم الحرام میں ان تحریفات' رسومات اور عقائد کو فروغ نہیں دے رہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ کیا کربلا ایسی تحریک ہے جسے صرف ظلم اور مظلومی سے تعبیر کر کے صرف آنسوؤں کے سپرد کر دیا جائے؟ کیا غیر معتبر روایات کو معتبر ثابت کرنا اسلام ہے؟

ہمارے ایمان صدیوں سے جس علیؑ کے لیے وقف ہیں' کیا ہم ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں؟ روز عاشورہ زندہ تاریخ اور حقیقت ہے اور کربلا عرفانِ الٰہی کا مظہر جہاں اسلام کی حقیقی اور عملی تصویر نظر آتی ہے۔ یہ عظیم تحریک روشن عمل تھی اور قرآن حکیم میں فکر و تدبر کی جو دعوت دی گئی ہے' اس کے عین مطابق تھی۔

علامہ صاحب! ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ ہم مسجدوں اور امام بارگاہوں سے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ اسلام کے بلند و بالا مقاصد کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم کب تک دوسروں سے بے معنی جنگ کرتے رہیں گے۔ آیئے ہم متحد ہو جائیں اور ان راستوں پر چلنا بند کریں جہاں چل کر قدم لہولہان ہو جاتے ہیں۔ وقت کو زخمی ہونے سے

(۱) بری امام کے مزار اور مدینۃ العلم کراچی پر حالیہ خودکش حملوں کی طرف اشارہ ہے۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ma20-06 khatoot shiaa ulma.inp 8/22/2014 3:15 PM PAGE 4 (1,1)

بچائیں۔امام مظلوم کے پیغام عاشور کو عام کر کے ساری دنیا کو انقلابِ اسلامی سے روشناس کرائیں۔اس تنازعہ کو ختم کر دیں جو باہمی انتشار کا باعث ہے۔ہمیں اور آپ کو یہ سوچنا ہوگا کہ جو کچھ ہو گیا اور جو ہو رہا ہے' فیصلوں کی اس منزل سے گزرنا ہوگا جو سخت مرحلہ ہے۔

مطالعۂ قرآن کی عادت ڈالیں تو ایمانی حقائق کی خود بخود تائید ہو جائے گی۔

کربلا ہر مسلمان کے لیے درس گاہِ عمل' عبادت اور معرفت کا حقیقی چشمہ ہے۔پھر تعصب' دہشت گردی' تخریب کاری اور خاک و خون کی فضا کو کیوں قائم کر دیا جاتا ہے؟ اسلام میں سب سے بڑی قربانی دینے والے حسینؑ ابن علیؑ پر ازل سے لے کر ابد تک میرا سلام ہو' انسانیت کا سلام ہو۔فقط والسلام

خاکپائے مصطفیؐ
بلقیس قمر

بقیہ: عرضِ احوال

لے جا کر بدنیتی کا مظاہرہ کیا ہے۔بعض دانشور بھی اس موقع پر حقیقی اسلامی اقدار اور دینی تقاضوں سے اپنی بے زاری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔اللہ کی نظر میں یہ طرزِ عمل بھی قرآن اور اسلام کی بے حرمتی کا مظہر ہے جو گوانتا ناموبے میں ہونے والی قرآن کی بے حرمتی سے بڑھ کر ہے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ سیکولر عناصر اور مقتدر طبقات اس بل کی مخالفت میں ہر ممکن حربہ استعمال کریں گے اور بالآخر ایم ایم اے کی یہ کاوش ناکامی سے دوچار ہوگی۔ایم ایم اے کی قیادت کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ ان معاملات میں اپنے طریق کار پر از سر نو نظر ثانی کرے۔ تجربات اور قرائن بتاتے ہیں کہ درحقیقت اس طریقے سے اسلام کے غلبے اور نفاذِ شریعت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔اس کام کے لیے علماء کرام اور دینی عناصر کو انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر پریشر گروپ کی صورت میں منظم ہو کر حکمرانوں پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ منکرات کا قلع قمع کریں۔یہی وہ راستہ ہے جس کی دعوت تنظیم اسلامی تیس سال سے دے رہی ہے۔اب وقت آ گیا ہے کہ ایم ایم اے کی قیادت اپنے تین سالہ دورِ اقتدار اور حسبہ بل کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے لائحہ عمل میں بنیادی تبدیلی لائے۔○○

افکار و آراء

’’جمع بین الصلاتین‘‘ اور دیگر مسائل میں احناف کا موقف

بخدمت گرامی قدر حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ الحمدللہ احقر راقم کا حضرت سے غائبانہ پرانا تعارف ہے اور احقر آپ کی خدماتِ جلیلہ خصوصاً قرآن کریم کے لیے حضرت کی گراں قدر پُر خلوص کوشش اور جدوجہد کو نہ صرف تحسین و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے‘ بلکہ اپنے علماء وطلباء واحباب میں اسے وقتاً فوقتاً سراہتا رہتا ہے۔ خصوصاً خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظریہ انتہائی لائق تحسین ہے۔ اس صدی کی سب سے بڑی انقلابی جماعت طالبان بھی بیعت کی بنیاد پر قرآن وسنت کی روشنی میں اٹھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نصرت نازل ہوئی جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ طالبان اسلامی تحریک میں بقدرِ استطاعت آپ کا مجاہدانہ کردار بھی شامل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ آپ کے لیے سرمایۂ افتخار ثابت ہوگا۔ یوم لا ظل الا ظلہ! آمین!!

کل ہی میثاق بابت جولائی ۲۰۰۵ء کا پرچہ ملا تو تقریباً اکثر حصہ پڑھ ڈالا۔ اس میں بھارتی دانشوروں کے خطوط/مضامین کے سلسلے میں آپ کی وضاحتیں الحمدللہ مؤمنانہ کردار کی عکاس ہیں۔ اللھم زد فزد!

مگر اس پرچہ میں ’’مسلمان کا طرزِ حیات‘‘ کی تازہ قسط پڑھنے کے بعد رنج والم اور افسوس وتکدر کے ملے جلے تأثرات سے گزرنا پڑا۔ جب اُس نے اور شدت اختیار کی تو یہ دکھ ودرد قلم وقرطاس پر بکھر گیا اور یوں ان اشکہائے خلوص نے اس خط کی شکل اختیار کر لی جو کہ اب حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت! اس مضمون میں جا بجا وطنِ عزیز کے مسلمانوں کی سوادِ اعظم جماعت احناف کثرھم اللہ کی دل آزاری کی گئی ہے۔ احناف کے مستدلات کے قوی ہونے کے باوجود اُن سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ الحمدللہ! ہم علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھتے ہیں کہ تنظیم اسلامی کوئی فرقہ وارانہ

ns23-07

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms23-07 khatoot.inp 8/22/2014 3:16 PM PAGE 1 (1,1)

جماعت نہیں‘ اس لیے میثاق میں اختلافی چیزوں سے گریز کیا جائے‘ خصوصاً جن باتوں سے مسلمانوں کی غالب اکثریت دینی مسائل میں تردّد تو ہمات کے ہتھے چڑھ جائے۔

جابر الجزائری کی ’’منہاج المسلم‘‘ ابھی میرے سامنے پڑی ہے۔ گو یہ مقلد ہیں‘ لیکن شافعی مسلک کے ہیں۔ ہمارے ملک کی اکثریت دین کی معمولی سمجھ بوجھ رکھتی ہے‘ اس لیے ان کے لیے بہتر دینی خدمت یہ ہوتی کہ کسی حنفی عالم دین کی کوئی کتاب منتخب کی جاتی‘ مثلاً کتاب الآ ثار‘ آ ثار السنن اور آداب المعاشرت وغیرہ۔ اگر دنیا میں صرف یہی کتاب رہ گئی تھی تو بھی تلخیص کے ذریعے اختلافی چیزوں سے بچا جاسکتا تھا۔ احقر کو اپریل‘ مئی اور جون ۲۰۰۵ء کے پرچے نہیں ملے‘ جولائی کی قسط میں مندرجہ ذیل باتیں میرے خیال میں اختلافی ہیں:

(۱) اذان میں ترجیع (۲) اقامت کے الفاظ (۳) جمع بین الصلا تین

چونکہ اس سے وسیع پیمانے پر غلط فہمیاں پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے انتہائی اختصار سے ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ کے طور پر تصویر کا دوسرا رُخ جو کہ وطن عزیز کے اکثر مسلمانوں کے ہاں معمول بہ ہے‘ یعنی مسلک احناف پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ میری ان کچی پھیکی سطور کو بھی میثاق میں جگہ دے کر ہمارے پُر خلوص شکریہ کے مستحق بنیں گے۔

واجرکم علی اللّٰہ!

(۱) اذان میں ترجیع

احناف کا استدلال حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی روایت سے ہے کہ وہ پہلے صحابیٔ رسول ﷺ ہیں جن کو خواب میں فرشتوں نے اذان سکھلائی تھی اور اُس میں ترجیع نہیں۔ سنن ابی داوٗد کی روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ’’حدثنی ابی عبداللہ بن زید قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناقوس...... فقال تقول : اللہ اکبر اللہ اکبر‘ اللہ اکبر اللہ اکبر‘ اشھد ان لا الہ الا اللہ‘ اشھد ان لا الہ الا اللہ‘ اشھد ان محمدا رسول اللہ‘ اشھد ان محمدا رسول اللہ‘ حی علی الصّلاۃ‘ حیّ علی الصّلاۃ‘ حی علی الفلاح‘ حی علی الفلاح‘اللہ اکبر اللہ اکبر‘ لا الہ الا اللہ۔ (سنن ابی داوٗد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب کیف الاذان ۱/۷۸‘۷۹۔) واضح رہے کہ اس خواب کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی کی گئی تھی‘ اس لیے آپؐ نے فرمایا تھا: ((اِنَّھَا لَرُؤْیَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ)).

(۲) سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن رہنے والے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلا ترجیع اذان دیتے تھے اور وفات تک یہی اذان دیتے رہے۔ روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''سمعت بلالاً یؤذن مثنٰی ویقیم مثنی''. (شرح معانی الآثارللامام الطحاوی 'کتاب الصلاۃ' باب الاقامة کیف ھی؟ ۸٤/۱)

(۳) احناف کی تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کی یہ روایت ہے: قال کان اذا ن رسول الله ﷺ شفعًا شفعاً فی الاذان والاقامة. (جامع الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ما جاء ان الاقامة مثنیٰ مثنیٰ ٤٨/١) کہ رسول اللہ ﷺ کی اذان اور اقامت میں دو دو مرتبہ الفاظ ہوا کرتے تھے۔

(۴) عن عمر بن الخطاب قال' قال رسول الله ﷺ : ((اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَحَدُکُمُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ...... الحدیث)) (صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب استحباب القول مثل قول المؤذن ١٦٧/١)

قال النیموی: ''لم یذکرہ اربعًا اکتفاء بذکر اثنین ومن ثم ذکر واحدًا من الاثنین فیما بعدھما ویستفاد منه ان الاذان فیه الترجیع''۔ (آثار السنن ' باب ما جاء فی عدم الترجیع' ص ٦٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

اقامت کے الفاظ:

اقامت کے الفاظ سترہ کلمات ہیں۔ جو الفاظ اذان میں دو مرتبہ پکارے جاتے ہیں' اقامت میں بھی دو ہی مرتبہ کہے جائیں گے۔ الحمد للہ اس مسئلے میں بھی احناف کی صحیح اور مرفوع احادیث ہی مستدلات ہیں۔ نمونہ کی خاطر کچھ احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے:

(۱) عن عبد الله بن زید : ((قال کان اذان رسول الله ﷺ شفعاً شفعاً فی الاذان والاقامة)) (جامع الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ما جاء ان الاقامة مثنیٰ مثنیٰ ٤٨/١) حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اذان و اقامت دو دو الفاظ پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے بھی صحابیٔ رسول ﷺ کو اقامت کے الفاظ اذان کے الفاظ کی طرح دو دو مرتبہ سکھلائے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی حکم فرمایا' اور مؤذنِ رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح دو دو الفاظ پر مشتمل اقامت کہی۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms23-07 khatoot.inp 8/22/2014 3:16 PM PAGE 2 (1,1)

حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ’’فاذن مثنٰی واقام مثنٰی...... فسمع ذلک بلال فقام فاذ مثنی واقام مثنی‘‘ (المصنف لابن ابی شیبہ‘ کتاب الاذان والاقامۃ‘ باب ما جاء فی الاذان والاقامۃ کیف ھو۔ ۲۳۱/۱)

(۳) خود حضرت ابومحذورہ ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اقامت کے الفاظ (اذان کے الفاظ کی طرح) دو دو مرتبہ سکھائے: ’’علمنی النبی ﷺ الاذان تسع عشرۃ کلمۃ والاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ‘‘ (المصنف لابن ابی شیبہ‘ حوالہ مذکور‘ رقم الحدیث ۲‘ اسی طرح اس باب کی حدیث ۷ اور ۸ میں بھی یہی ارشاد موجود ہے۔)

(۴) حضرت بلال ؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقامت میں اذان کی طرح دو دو الفاظ کہتے تھے۔ سنن الدارقطنی کی حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ’’ان بلالا کان یؤذن للنبی ﷺ مثنیٰ مثنیٰ ویقیم مثنی مثنی‘‘ (سنن الدارقطنی‘ کتا ب الصلاۃ‘ باب ذکر الاقامۃ واختلاف الروایات ۱۹۴/۱) اور اسی باب کی کئی احادیث میں یہی ارشاد ہے‘ تفصیل کے لیے دیکھئے سنن الدارقطنی کی حدیث نمبر ۸۹۱‘ ۸۹۲‘ ۸۹۳‘ ۸۹۸‘ ۹۰۲‘ ۹۲۵‘ ۹۲۶‘ ۹۲۷‘ ۹۲۹‘ ۹۳۰‘ ۹۳۱۔ اسی طرح یہی بات ابن الاثیر کی جامع الاصول فی احادیث الرسول ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ احادیث ۳۳۵۵ تا ۳۳۵۷‘ ج ۱‘ ص ۲۹۳ تا ۳۰۱۔ اسی طرح صحیح ابن حبان‘ کتاب الاذان‘ باب ذکر الامر بالترجیع فی الاذان والتثنیۃ فی الاقامۃ ۹۵/۳‘ رقم الحدیث ۱۶۷۹ میں بھی یہی حدیث موجود ہے۔

(۳) جمع بین الصلاتین:

اس قسط میں سب سے زیادہ تشکیک وتوہمات میں ڈالنے اور قلم اٹھانے کا باعث یہی مسئلہ بنا ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے اور کہیں کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے دلائل بہت ہی مضبوط ہیں۔ انتہائی اختصار سے عرض ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

(۱) ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا﴾ (النساء)

(۲) ﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی﴾ (البقرۃ:۲۳۸)

ان آیات میں یہ بات واضح ہے کہ نماز کے لیے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت

واجب ہے اوران اوقات کی خلاف ورزی باعث عذاب ہے۔ظاہر ہے کہ یہ آیات قطعی الثبوت ہیں اوراخبارآحادان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، بالخصوص جبکہ اخبارآحاد میں توجیہہ صحیح کی گنجائش بھی موجود ہو۔

(۳) ﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝۵۹﴾ (مریم)

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود، قاسم بن مخیصرہ، مسروق، امام اوزاعی، ابراہیم بن یزید، عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھنے والے ہیں۔ اضاعوها بالتاخير (تفسیر الکشاف ۲۶/۳، تفسیر ابن کثیر ۳۲/۳) جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں بھی بڑی وضاحت سے اس سے روکا گیا ہے۔

(۱) عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ((ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی صلاة بغیر میقاتها الاصلاتین جمع بین المغرب والعشاء، (صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب متٰی یصلی الفجر بجمع؟ ۲۲۸/۱)

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر آرڈیننس نافذ فرما کر ''جمع بین الصلاتین'' پر پابندی عائد کردی تھی۔موطا امام محمد کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه کتب فی الآفاق ینهاهم ان یجمع بین الصلاتین ویخبرهم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحدة کبیرة من الکبائر، (مؤطا امام محمد، کتاب الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر ص ۱۳۲) ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مملکت میں حکم نامہ بھیجا، اپنے عمال کو جمع بین الصلاتین (ایک وقت میں دونماز پڑھنے) سے منع فرمارہے تھے۔اوران کو بتایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھنا کبیرہ گناہ ہے''۔

جہاں تک ان احادیث مبارکہ کا تعلق ہے جن سے ظاہری طور پر جمع بین الصلاتین معلوم ہوتا ہے تو اس سے مراد جمع صوری ہے نہ کہ جمع حقیقی۔جمع صوری یہ ہے کہ سفر میں یا کسی بیماری وغیرہ میں ظہر اپنے آخری وقت میں ادا کرے اور کچھ دیر وقفہ کے بعد جب عصر کا وقت ہو جائے تو عصر نماز اوّل وقت میں ادا کی جائے، اسی طرح مغرب وعشاء۔اس کے علاوہ اذان پر اجرت اور سفر معصیت میں قصر کرنا یہ دونوں مسئلے بھی عامۃ المسلمین میں گومگو کی کیفیت

پیدا کرنے والے ہیں اور احناف کے مسلک کے برعکس ہیں۔ خط طویل ہو جانے کے پیش نظر اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

احقر العباد
محمد رمضان پھلپوٹو عفی عنہ الرحمٰن
استاذ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم حمادیہ کھوڑا
ضلع خیر پور میرس' سندھ

''اسلامی نظامِ عبادات میں اعتدال کی حکمتیں''

ایک غلطی کا ازالہ

میثاق کے شمارہ جولائی ۲۰۰۵ء میں حافظ محبوب احمد خان کا مضمون ''اسلامی نظام عبادات میں اعتدال کی حکمتیں'' شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے بارے میں ہمیں ضلع گھوٹکی سندھ سے مولانا نذیر احمد چنڑ صاحب کا مکتوب موصول ہوا ہے' جس میں انہوں نے احادیث کے ترجمہ میں دو مقامات پر اصلاح فرمائی ہے۔

(۱) اس مضمون میں صفحہ ۴۸ پر جو حدیث مبارکہ نقل ہوئی ہے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے مضمون نگار سے تسامح ہوا ہے۔ پانچویں سطر سے ترجمہ کی عبارت اس طرح ہونی چاہیے:

''پھر جب حضرت ابوالدرداءؓ تشریف لائے تو انہوں نے حضرت سلمانؓ کو کھانا پیش کرتے ہوئے فرمایا: آپ کھانا کھایئے' میں تو روزے سے ہوں...... جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداءؓ (نوافل کے لیے) کھڑے ہونے لگے......''

(۲) صفحہ ۴۹ پر درج حدیث کا سطر ۲ اور ۳ کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

''اتنا ہی عمل کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتا (نہیں اکتاتا) یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ (اکتا جاؤ)......''

ادارۂ میثاق اس تسامح پر معذرت خواہ ہے اور مولانا نذیر احمد چنڑ صاحب کا شکر گزار ہے۔

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (22)

پاکستان

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms-pakistan.inp 8/22/2014 3:18 PM PAGE 1 (1,1)

پاکستان: ایک نظر میں

سرکاری نام: اسلامی جمہوریہ پاکستان

صدر: جنرل پرویز مشرف (1999ء)

وزیراعظم: شوکت عزیز (2004ء)

رقبہ: 8لاکھ 3ہزار 940مربع کلومیٹر (3لاکھ 10ہزار 401مربع میل)

آبادی: پندرہ کروڑ سے زائد

سالانہ شرح افزائش: 2.1فی صد

شرح پیدائش: 29.6فی ہزار

شرح امواتِ اطفال: 76.5فی ہزار

گنجانی آبادی: 485فی مربع میل

دارالحکومت: اسلام آباد (دو لاکھ سے زائد)

بڑے شہر: کراچی (ایک کروڑ سے زیادہ)۔ لاہور (60لاکھ)۔ فیصل آباد (23لاکھ)۔ راولپنڈی (16لاکھ)۔

کرنسی: روپیہ=100پیسے

زبانیں: اردو‘ پنجابی‘ سندھی‘ سرائیکی‘ پشتو‘ بلوچی‘ ہندکو‘ براہوی‘ بروشسکی‘ گوجری‘ انگریزی

نسلیں: پنجابی‘ سندھی‘ پشتون‘ بلوچ‘ مہاجر

مذہب: مسلمان 97فیصد۔ ہندو‘ عیسائی‘ بدھ‘ پارسی

شرح خواندگی: 42فیصد (1998ء کی مردم شماری کے مطابق)

مجموعی قومی پیداوار: 345ارب ڈالر

فی کس آمدنی: 2100ڈالر سالانہ

شرح افزائش پیداوار: 3.3فیصد سالانہ

افراطِ زر: 4.5فیصد

بے روزگاری: 6.5فیصد

قابلِ کاشت رقبہ: 28فیصد

زراعت: گندم‘ چاول‘ گنا‘ پھل‘ کپاس‘ سبزیاں‘ دودھ‘ گوشت‘ انڈے

صنعت: سوتی و اونی کپڑا‘ مشروبات‘ خوراک سازی‘ تعمیراتی سامان‘ ملبوسات‘ کاغذ اور اس کی مصنوعات

قدرتی وسائل: اراضی‘ قدرتی گیس‘ پٹرولیم‘ کوئلہ‘ کچا لوہا‘ تانبا‘ نمک‘ چونا

درآمدات: 2 . 9ارب ڈالر۔ پٹرولیم اور اُس کی مصنوعات‘ مشینری‘ گاڑیاں‘ بناسپتی گھی‘ کیمیاوی اشیاء۔

برآمدات: 8 . 8ارب ڈالر سالانہ۔ روئی‘ چاول‘ کپڑا‘ ملبوسات‘ چمڑا‘ قالین

بڑے تجارتی ساتھی: اسلامی ممالک‘ امریکہ‘ برطانیہ‘ جرمنی‘ متحدہ عرب امارات‘ ہانگ کانگ‘ جاپان

پاکستان

زمانہ قبل از تاریخ ہی سے پاکستان کی شمال مغربی سرحدیں پار کر کے مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ یہاں آ کر آباد ہوتے رہے ہیں۔ یہ تارکینِ وطن زیادہ تر وسطی اور مغربی ایشیا سے آئے۔ مقامی باشندوں کے ساتھ اُن کے اختلاط کے باعث دراوڑی نسل وجود میں آئی۔ دراوڑوں کے بعد

بھی غیر ملکی اقوام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ یہاں یکے بعد دیگرے آریا، یونانی، ایرانی، عرب، ترک اور منگول پہنچے اور آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ باہمی اختلاط و ازدواج سے ان کی نسلیں بھی مخلوط ہوتی گئیں۔ بہرحال آج پاکستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد کا تعلق اُس نسل سے ہے جسے ''ہندی آریا'' کہا جاتا ہے۔ قلات میں دراوڑی نسل کے افراد آج بھی موجود ہیں۔ بلوچوں اور پٹھانوں میں زیادہ تر ترکوں اور ایرانیوں، یعنی آریاؤں کی دو اہم شاخوں کے خون کی آمیزش ہے۔ جن باشندوں کے آباء و اجداد عرب سے آئے تھے، وہ نسلی اعتبار سے سامی ہیں۔

قدیم تہذیبیں

یہاں انسانی معاشرے کی بنیاد کب پڑی؟ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ راولپنڈی کے نواح میں پتھر کے بعض ایسے آلات و اوزار اثری کھدائیوں سے حاصل ہوئے ہیں، جنہیں ماہرین دو سے چار لاکھ سال پیشتر کا بتاتے ہیں، لیکن ایک منظّم و متمدن انسانی تہذیب کے قدیم ترین آثار موئن جودڑو (ضلع لاڑکانہ) اور ہڑپا (ضلع ساہیوال) میں پائے گئے ہیں۔ دریائے سندھ کی مناسبت سے اس تہذیب کو ''وادئ سندھ کی تہذیب'' کا نام دیا گیا ہے اور اس کا زمانہ تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ وادئ سندھ کی تہذیب سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر کچھ آبادیوں کے نشانات بلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں بھی ملے ہیں، لیکن برعظیم پاک و ہند میں منظّم شہری تہذیب کا اوّلین گہوارہ سندھ کی وادی ہی ہے۔

وادئ سندھ کے قدیم باشندے شہر آباد کرنے میں ماہر اور اعلیٰ درجے کے معمار تھے۔ موئن جودڑو کی سڑکیں وسیع اور کشادہ ہونے کے علاوہ بالکل سیدھی ہیں اور ان سے عمودی زاویے پر گلیاں نکلتی نظر آتی ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف پانی کے نکاس کا انتظام ہے۔ مکانات پکی اینٹوں کے بنے ہیں۔ ہر مکان میں صحن ہے اور پانی نکلنے کی پکی نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ تعمیری اعتبار سے سب سے نمایاں چیز غسل کا بڑا تالاب ہے، جس میں اینٹ کو اینٹ پر ایسے مسالے سے جمایا گیا ہے کہ اب تک بال برابر فرق نہیں آیا ہے۔ دشمن کے حملے اور موسمی طغیانی سے شہر کو محفوظ رکھنے کے لیے عمدہ انتظامات ہیں۔ ہڑپا کی بناوٹ اور طرزِ تعمیر بھی یہی ہے۔ ان لوگوں کی سکونت، ضروریات اور آرائش کی بے شمار چیزیں برآمد ہوئی ہیں، جو موئن جودڑو، ہڑپا، لاہور اور کراچی کے عجائب گھروں میں رکھی ہوئی ہیں۔ ان سے ان کی اعلیٰ تہذیب اور ہنرمندی کا پتا چلتا ہے۔ ان کے زیورات سونے، چاندی، ہاتھی دانت، ہیرے، عقیق، لاجورد اور دوسرے قیمتی پتھروں کے ہوتے تھے۔ وہ نقاشی اور بت تراشی سے بخوبی واقف تھے۔ سوتی اور اونی کپڑے پہنتے تھے، اور مٹی، چینی اور دھاتوں کے برتن استعمال کرتے تھے۔ بچوں کے کھلونوں میں ایک گاڑی نکلی ہے، جس کی شکل سندھ کی بیل گاڑیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اُن کے رسم الخط

کے نمونے بھی ملے ہیں' لیکن ہنوز پڑھے نہیں جا سکے۔ ان شہروں کی کھدائی میں مختلف قسم کی مہریں بڑی تعداد میں ملی ہیں' جو غالباً تجارتی اور دفتری کاموں میں استعمال ہوتی ہوں گی۔ اسی قسم کی مہریں عراق میں سُمیری تہذیب کے آثار سے بھی نکلی ہیں' جس کی بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ وادیٔ سندھ اور وادیٔ دجلہ وفرات (عراق) میں تجارتی تعلقات ہوں گے اور آمد و رفت کا سلسلہ عام ہوگا۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کو چھوڑ کر پاکستان کے قریب قریب سارے علاقے میں اس قسم کے چھوٹے بڑے شہر آباد تھے۔ سندھ اور بہاول پور میں ان کے آثار کئی جگہ ملے ہیں۔ قیاس ہے کہ اُس زمانے کے لوگ دراوڑی نسل کے تھے۔ اس قیاس کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بلوچستان میں بروہی قبیلے کے لوگ اب بھی جو زبان بولتے ہیں (براہوی) وہ دراوڑی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تہذیب آریاؤں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی' اور یہاں کے جو باشندے قتل و غارت سے بچے' وہ جنوب (حیدر آباد دکن وغیرہ) کی جانب بھاگ گئے۔

ہندوؤں کا زمانہ

ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ مختلف آریا قبائل نے یکے بعد دیگرے مغربی درّوں سے داخل ہو کر پاکستان میں آباد ہونا شروع کیا۔ ان کی ابتدائی آبادیاں دیہات یا چھوٹے قصبوں کے طرز پر تھیں' اور بیشتر دریا کے کنارے آباد تھیں۔ اُن کی سب سے پہلی مذہبی کتاب ''رِگ وید'' اُس زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب وہ پہلے پہل آ کر پنجاب میں آباد ہوئے تھے اور یہاں سے موجودہ اُتر پردیش (بھارت) کے مغربی علاقے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ یہ لوگ ابھی تک فنِ تحریر سے ناآشنا تھے اور اُن کا جتنا علم تھا' وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا تھا۔ ''رِگ وید'' میں دریائے کابل اور سوات سے لے کر گنگا اور جمنا تک سب دریاؤں کا ذکر آتا ہے' جس سے آریاؤں کے ابتدائی پھیلاؤ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں میں مردوں کو دفن کرنے اور جلانے دونوں کا دستور تھا۔ وہ عموماً سبزی' دودھ اور گوشت استعمال کرتے تھے۔ شکار' بیل گاڑیوں کی دوڑ' موسیقی اور رقص کا انہیں خاص طور سے شوق تھا۔ اُن کی اجتماعی زندگی کی تنظیم بڑی سادہ تھی۔ وہ گاؤں میں رہتے تھے اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ رِگ وید کے بعد کے زمانے میں اُن کی سماجی اور سیاسی زندگی میں کافی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ذات پات کی تفریق ابتدائی شکل میں ظاہر ہوئی۔ قبائلی ریاستوں کی جگہ بڑی بڑی سلطنتوں نے لے لی۔ پھر قصبوں کے ساتھ ساتھ شہر بھی آباد ہونا شروع ہوئے۔ ان بڑے شہروں میں ٹیکسلا بھی تھا' جو تجارت کی ایک اہم منڈی ہونے کے علاوہ علم کا بھی مشہور مرکز تھا۔

چھٹی صدی قبل مسیح کے نصف آخر میں پاکستان کے بیشتر علاقے ایرانی سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔ یہ علاقہ ایران کی وسیع سلطنت کا سب سے بڑا اور زرخیز صوبہ تھا۔ چوتھی صدی کے وسط میں

جب ایران کا تسلط کمزور ہوگیا تو یہ علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ 331 قبل مسیح میں جب سکندر نے ایران فتح کیا تو ان علاقوں کی طوائف الملو کی نے اس کے فاتحانہ عزائم کو ترغیب دی۔ شمال میں گورداسپور اور جنوب میں ملتان اور سندھ تک کا علاقہ فتح کر کے سکندر مکران کے راستے واپس چلا گیا۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے ختم ہونے سے پہلے بھی پاکستان کے یونانی صوبے موریا سلطنت کا حصہ بن چکے تھے، لیکن یونانی حملے نے ان علاقوں کی تہذیب وتمدن پر گہرا اثر ڈالا۔ بیرونی دنیا سے پاکستان کا رابطہ از سرِنو شروع ہوا۔ یونانی خیالات و افکار کا اثر گندھارا سنگ تراشی اور ٹیکسلا کی مورتیوں کے لباس، چہرے کے خطوط اور بالوں کی آرائش میں صاف نظر آتا ہے۔

موریا خاندان کا مشہور فرماں روا اشوک اپنی ولی عہدی کے زمانے میں پنجاب کا گورنر رہا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اُس نے بدھ مت قبول کر لیا اور اس کی تبلیغ کی زبردست کوشش کی۔ پنجاب، شمال مغربی سرحد، کشمیر، سندھ، یہ سارے کے سارے علاقے بدھ مت سے متاثر ہوئے۔ ٹیکسلا بدھ مت کے مذہبی علوم کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ اشوک کی اس عظیم الشان کوشش کے آثار اور اثرات بدھ مت کی خانقاہوں اور بدھ مت کی مورتیوں میں نظر آتے ہیں، جو ٹیکسلا، پشاور، تخت بھائی (ضلع پشاور) وغیرہ میں بکثرت ملتی ہیں۔ یہ تمام آثار خاص اشوک کے زمانے ہی کے نہیں ہیں، لیکن ان کا منبع اشوک کا دور ہے۔

خاندانِ موریا کے زوال پر ملک ایک بار پھر طوائف الملو کی اور بعدازاں ایران کی جانب سے بیرونی حملوں کا شکار ہوگیا۔ ان حملوں کے ساتھ ایرانی اور یونانی تہذیبی اثرات اُن علاقوں میں دوبارہ داخل ہوئے جنہیں اب "پاکستان" کہا جاتا ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے اختتام کے قریب وسط ایشیا سے آئی ہوئی کشاں قوم نے شمال مغرب سے حملہ کیا اور پنجاب اور سرحدی علاقوں میں اپنی سلطنت قائم کی، جس کا صدر مقام پشاور تھا۔

ٹیکسلا اُن تمام بیرونی اثرات کی لہروں کو، جو یکے بعد دیگرے آتی رہیں، جذب کرتا رہا۔ دہلی کی طرح یہ شہر کئی بار آباد ہوا، کئی بار اجڑا۔ گہری کھدائی کرنے پر بعض جگہ ایک ہی مقام پر اوپر تلے پانچ چھ آبادیوں کے آثار ملے ہیں۔ یونانی ستون، یونانی چہروں اور رومی لباس والے بت، خروشتی طرزِ تحریر (جو دائیں سے بائیں طرف لکھی جاتی ہے) کے نمونے اور بدھ مت کی بے شمار باقیات ٹیکسلا کے آثار میں موجود ہیں۔

گُپت راجاؤں کا پاکستان کے علاقوں میں زیادہ عمل دخل نہ تھا۔ سیالکوٹ ان کے زیرِ اثر ضرور تھا، لیکن جب پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ہُنوں کے حملے شروع ہوئے تو مغربی علاقے بہت جلد ان کے زیرِ تسلط آ گئے۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ 641ء میں سندھ آیا تو یہاں جو راجا حکمران تھا، وہ بدھ مت کا پیرو تھا اور ایک شودر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ محمد بن قاسم کے حملے کے

E:\Ma-2005\Meesaq_PDF_2005\meesaq august05\ma-pakistan.inp 8/22/2014 3:18 PM PAGE 3 (1,1)

وقت سندھ میں ایک برہمن خاندان حکمران تھا' لیکن اُس وقت بھی یہاں بدھوں کی کافی آبادی تھی۔ محمودغزنوی کے حملوں کے زمانے میں پنجاب اور سرحدی علاقے ہندوشاہی خاندان کے زیرنگیں تھے اور ملتان فرقۂ باطنیہ کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔

اسلام کا ورُود

مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں 712ء میں سندھ پر حملہ کیا۔اس سے پہلے بلکہ ظہورِ اسلام سے بھی پہلے عرب اور ہندوستان میں تجارتی تعلقات تھے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہومولانا سید سلیمان ندوی کی دو کتابیں ''عرب و ہند کے تعلقات'' اور ''عربوں کا فنِ جہازرانی'')۔ برعظیم کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجر اور جہاز ران اکثر دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر جب عربوں نے اسلام قبول کیا تو اُن کی تجارت نے بڑا فروغ پایا اور پاک و ہند کی بندرگاہوں میں وہ بڑی کثرت سے نظر آنے لگے۔وہ جہازوں پر طرح طرح کا تجارتی مال لے کر آتے تھے' اور یہاں سے قسم قسم کی چیزیں لاد کے لے جاتے تھے۔بعض عرب مسلمان جنوبی ہند کے اندرونی حصوں میں جا پہنچے اور وہیں آباد ہو گئے۔

مسلمانوں نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کی خلافت میں تھانہ پر حملہ کیا۔ یہ مقام اُس جگہ کے قریب واقع تھا جہاں آج ممبئی کا شہر آباد ہے' لیکن یہ بحری حملہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہیں کیا گیا تھا' اور انہیں یہ بات ناپسند تھی کہ سمندر کے راستے دور دراز علاقوں پر حملے کر کے مسلمانوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالا جائے۔اس لیے اس کے بعد ہندوستان کے ساحل پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کو بھی ہندوپاکستان پر حملہ کرنے کا خیال آیا تھا۔چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اس علاقے کی سرحد پر بھیجا۔اس نے یہاں کے حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے نام جو خط لکھا' اس میں یہ فقرے بھی تھے:

> ''یہاں پانی کمیاب ہے' پھل کھٹے ہیں' اور یہاں کے ڈاکو لٹیرے بڑے جری اور بے باک ہیں۔ چھوٹی سی فوج بھیجنا بے سود ہے۔ بڑی فوج بھیجی گئی تو اس کے لیے رسد فراہم نہیں ہو سکے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گی''۔

پھر امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں اس زمانے کا مشہور سپہ سالار مہلّب ابی صفرہ افغانستان کے کچھ حصے کو فتح کر کے ملتان تک آیا' اور یہاں سے پلٹ گیا' لیکن یہ حملہ موسم بہار کی گھٹا کی طرح تھا کہ برسی اور کھل گئی۔

ساتویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے بلوچستان کے ایک حصے اور جنوبی افغانستان پر عربوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل میں مسلمان تاجر اکثر آتے رہتے تھے۔کاٹھیاواڑ اور

مالابار کے ساحل اور لنکادیپ اور مالدیپ کے جزیروں میں بھی اُن کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔

ان دنوں کچھ مسلمان تاجر سیلون (سری لنکا) کے جزیرے میں آباد ہو گئے تھے۔ اُن میں سے بعض تاجروں کا انتقال ہو گیا۔ سیلون کے راجا نے اُن کے بیوی بچوں کو جہاز میں بٹھا کر حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا' جو ولید بن عبدالملک کی جانب سے اسلامی سلطنت کے مشرقی صوبوں کا گورنر تھا۔ اس جہاز میں بہت سے تحفے بھی تھے' جو راجا نے حجاج کے لیے بھیجے تھے۔ اتفاق سے سمندر میں زور کا طوفان آیا' جس نے اس جہاز کو اپنے راستے سے ہٹا کر دیبل پہنچا دیا۔ یہاں ڈاکوؤں نے اسے لوٹ لیا اور جہاز پر جتنے لوگ تھے' انہیں قید کر کے لے گئے۔ حجاج نے سندھ کے راجا داہر کو خط لکھا کہ ہمارے آدمی ہمارے پاس بھیج دو' جو نقصان ہوا ہے اُس کی تلافی کرو' اور جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے' انہیں سخت سزائیں دو۔ راجا داہر نے جواب دیا کہ جن لٹیروں نے یہ حرکت کی ہے' ان پر میرا زور نہیں چلتا۔ حجاج پہلے ہی داہر سے ناراض تھا' کیونکہ اُس نے کچھ عرب باغیوں کو' جو بھاگ کر سندھ چلے آئے تھے' اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی۔ وہ یہ جواب پڑھ کر بھڑک اٹھا اور داہر کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اب حجاج نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں اور اپنے داماد محمد بن قاسم کو فوج دے کر سندھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اگرچہ محمد بن قاسم کی عمر صرف سترہ برس کی تھی' لیکن اس نے دو ڈھائی سال کی قلیل مدت میں سندھ اور ملتان کو فتح کر کے موجودہ پاکستان کے جنوبی اور وسطی علاقوں میں اسلامی اقتدار کی بنیاد ڈالی۔ اس نے یہاں کے لوگوں سے رواداری اور شفقت کا سلوک کیا۔ انہیں مندر بنانے اور اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دی۔ اُن پر ہندو افسر مقرر کیے اور ہندوؤں کو اپنا مشیر اور وزیر بنایا۔ محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد سندھ میں تقریباً دو سو سال تک عربوں کی حکومت قائم رہی۔ اس کے بعد اگرچہ سندھ کا خلافتِ عباسیہ (بغداد) سے تعلق منقطع ہو گیا' تاہم بعض عرب سردار اُس کے کچھ علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔

اسلامی فتوحات کا دوسرا بڑا ریلا غزنویوں کے حملے کے ساتھ آیا۔ سبکتگین کے بعد اس کے نامور فرزند محمود غزنوی نے پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ان شمالی علاقوں پر' جو اب ''پاکستان'' کہلاتے ہیں' متعدد حملے کیے۔ موجودہ پاکستان کا بیشتر حصہ اس کے زیرنگیں آ گیا۔ ملتان میں اُس وقت قرامطہ کا زور تھا۔ یہ ایک فرقہ تھا جو اکثر اسلامی اصولوں سے منحرف اور خلافتِ اسلامیہ کا دشمن تھا۔ محمود غزنوی نے ملتان پر دو حملے کیے اور قرامطہ کو شکست دے کر انہیں عقائد کی تبدیلی پر مجبور کیا۔

سلطنتِ دہلی کا قیام

بارہویں صدی کے اواخر میں شہاب الدین محمد غوری کی قیادت میں ترکوں اور افغانوں نے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq august05\ms-pakistan.inp 8/22/2014 3:18 PM PAGE 4 (1,1)

مغربی سرحدوں پر حملہ شروع کیا اور اس تیزی سے آگے بڑھے کہ تیرہویں صدی کے آغاز میں پشاور اور دیبل سے موجودہ بنگلہ دیش تک اُن کے جھنڈے لہرانے لگے۔

شہاب الدین غوری کی وفات (1206ء) کے بعد اُس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی اور خاندانِ غلاماں کی بنیاد رکھی، جو تقریباً 80 سال تک (1206ء تا 1287ء) برسرِاقتدار رہا۔ شمس الدین التمش کے زمانے میں پاکستان پر چنگیزی مغلوں کا حملہ ہوا، لیکن وہ جلال الدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں ملتان ہی سے واپس ہو گئے۔ التمش نے پنجاب اور سندھ پر مرکزی اقتدار قائم کیا۔ مغلوں کے پیہم حملوں سے لاہور پر بری طرح تباہی آئی تھی۔ غیاث الدین بلبن نے لاہور کی قلعہ بندی کی اور پنجاب اور سندھ کو مغلوں کی تباہ کاری سے نجات دلائی۔ اس نے ملتان میں اپنے ولی عہد کو گورنر مقرر کیا اور اسے مغربی سرحدوں کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا۔

بنگال کی فتح تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں محمد بن بختیار خلجی کے ہاتھوں ہوئی۔ اُس وقت سے خلجی بنگال پر قابض ہو گئے۔ التمش نے بڑی کوشش سے وہاں نظم و ضبط قائم کیا، مگر اس کے بعد پھر حالات خراب ہو گئے اور صوبیداروں نے خودسری اختیار کر لی، تاآنکہ بلبن نے ازسرِنو بنگال میں مرکزی اقتدار قائم کیا۔

1290ء میں دہلی میں خلجیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ان کے دور میں بنگال مرکزی اقتدار سے آزاد رہا اور وہاں کی خودمختار حکومت بلبن کے خاندان میں رہی۔ بلبن کے عہد میں پاکستان کے علاقوں میں مغول حملہ آوروں اور دہلی کی افواج میں زبردست معرکے ہوئے۔

علاؤ الدین خلجی (1296ء تا 1316ء) بڑا مدبّر سلطان تھا۔ اس نے ایک نیا اقتصادی نظام قائم کیا، جس کے تحت تمام ضروری اشیاء کی قیمتیں سرکاری طور پر مقرر ہوئیں۔ اس نے ایک فوج دکن کی فتح کے لیے منظم کی اور اس کے سپہ سالار ملک کافور نے دکن اور جنوبی ہند پر فوج کشی کر کے وہاں کے تمام راجاؤں کو سلطنتِ دہلی کا مطیع اور باج گزار بنایا۔ علاؤ الدین خلجی نے ایک اور فوج صرف مغلوں کی مدافعت کے لیے تیار کی۔ اُس نے پنجاب اور سندھ کی مغربی سرحدوں سے مغلوں کو بالکل نکال دیا اور ان علاقوں میں مکمل امن و امان اور نظم و ضبط قائم کیا۔ سندھ کی مقامی سیاست میں اُس زمانے میں سومرہ نام کا ایک قبیلہ نمایاں تھا۔

خلجیوں کے بعد تغلق برسرِاقتدار آئے۔ اِس خاندان کا بانی غیاث الدین تغلق (1320ء تا 1325ء) خلجی عہد میں دیپال پور (ضلع ساہیوال) کا صوبیدار تھا اور اُس نے مغربی سرحدوں پر مغلوں کو بارہا شکست دی تھی۔ اب وہ تخت نشین ہوا۔ اُس نے ملک بھر میں نظم و نسق اچھی طرح قائم کیا، بنگال پر چڑھائی کی اور مشرقی صوبوں کو ازسرِنو سلطنت میں شامل کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد بن تغلق (1325ء تا 1351ء) تخت نشین ہوا۔ وہ خود عالمِ فاضل تھا اور اہلِ علم و ہنر کی دل کھول کر

حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ وہ ایک سخت گیر اور مستعد حکمران تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں ملک کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ اس کی بلند خیالی اور عالی ہمتی میں کوئی شبہ نہ تھا' مگر بدقسمتی سے وہ اپنے زمانے سے بہت آگے تھا اور لوگ اُس کا ساتھ نہ دے سکے' اسی لیے اُس کے کئی عظیم منصوبے ناکامی پر منتج ہوئے (اس کے حالات کے لیے دیکھیے ضیاء الدین برنی کی تاریخ' ابن بطوطہ کا سفرنامہ ''عجائب الاسفار'' اور دوسری معاصر کتابیں)۔ بہر حال اس نے مغول لشکر کو پسپا کیا اور شمالی سرحدوں کے استحکام کی خاطر غزنہ تک یلغار کی۔ دکن پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے اس نے دولت آباد میں دارالحکومت منتقل کیا' جس کی بدولت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مستقل طور پر دکن میں بس گئی۔ سرحد چین کی فتح کا مہلک منصوبہ' تانبے کے سکے کا اجراء اور پھر اس کی تنسیخ' شمالی علاقوں میں قحط وغیرہ' ایسے واقعات تھے جن کے باعث اس کا آخری عہد بڑی ابتری میں گزرا۔ بنگال میں بغاوت ہوئی اور یہ خطہ آئندہ دوسو سال کے لیے دہلی کے تسلط سے نکل گیا۔ پنجاب اور سندھ میں بھی محمد بن تغلق کے زمانے میں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ 1351ء میں محمد بن تغلق نے ایک باغی کا تعاقب کرتے ہوئے ٹھٹھہ (سندھ) کے قریب جان دی۔

اُس کے جانشین فیروز شاہ تغلق (1351ء تا 1389ء) نے دوبار بنگال پر فوج کشی کی' لیکن وہاں کے خودمختار سلاطین سے تسلیم واطاعت کے رسمی وعدے سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکا اور بنگال بدستور دہلی کے تسلط سے آزاد رہا۔ سندھ میں بھی فیروز شاہ نے ایک طویل مہم سر کی۔ محمد بن تغلق کے اواخر عہد میں سندھ کی مقامی سیاست میں سمّہ قبیلہ سومروں پر غالب آیا۔ سمّہ قبیلے کے جاموں نے دہلی سے سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ فیروز شاہ کو اس مہم میں کامیابی ہوئی۔ وہ باغی جاموں کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا اور اُن کی جگہ اسی خاندان کے دیگر افراد کو مقرر کیا۔ فیروز شاہ کے زمانے میں مغربی سرحدوں پر مغلوں نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی' لیکن بڑا حملہ نہ کر سکے۔ فیروز شاہ بڑا نیک دل بادشاہ تھا۔ اُس نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے نظم و نسق میں بہت سی اصلاحات کیں (اُس کے زمانے کے حالات کے لیے ملاحظہ کیجیے: تاریخ فیروز شاہی)۔

فیروز شاہ تغلق کے بعد سلطنت دہلی پر زوال آ گیا۔ اُس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور سندھ اور پنجاب پر ان کا اقتدار برائے نام رہ گیا۔ 1398ء میں تیمور کا حملہ ہوا اور وہ اُچ اور ملتان سے ہوتا ہوا دہلی تک جا پہنچا۔ کئی شہروں کی فاتحانہ تاراج کے بعد پنجاب سے ہوتا ہوا وہ 1399ء میں واپس چلا گیا۔ واپسی کے وقت اس نے لاہور' دیپال پور اور ملتان کی حکومت سید خضر خان کے سپرد کر دی۔ تیمور کے حملے سے پنجاب اور سندھ کے علاقے خاصے تباہ ہوئے۔ اُس کے جانے کے بعد خضر خان نے اُس کے نائب السلطنت کی حیثیت سے پنجاب پر حکمرانی کی۔ 1414ء میں وہ دہلی پر قابض ہو گیا اور خاندان سادات کی بنیاد ڈالی۔ سادات کا عہد حکومت زیادہ تر بغاوتوں سے نمٹنے میں

گزرا۔ پنجاب میں سرکش عناصر نے سر اٹھایا اور وہ انہیں دبانے میں ناکام رہے۔ بہلول لودھی نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور بالآخر 1451ء میں وہ تختِ دہلی پر بھی قابض ہو گیا۔

لودھی خاندان کے عہدِ حکومت میں مرکزی سلطنت کا اقتدار قدرے بحال ہو گیا۔ تاہم ان افغان سلاطین کا بیشتر وقت بغاوتیں فرو کرنے میں گزرا۔ ان میں سے سکندر بڑا مدبر اور متقی بادشاہ تھا' مگر اُس کا بیٹا ابراہیم لودھی اُس کا اچھا جانشین ثابت نہ ہوا۔ اُس کی بے جا سختی سے امراء بھڑک اٹھے جنہوں نے خفیہ طور پر بابر کو' جو شیبانی ازبکوں کے ہاتھوں اپنی آبائی ریاست فرغانہ سے محروم ہو کر' اُس وقت کابل پر قابض تھا' حملے کی دعوت دی اور پانی پت کے تاریخی معرکے (1526ء) میں پاکستان و ہند کا تخت و تاج مغلوں کے ہاتھ آ گیا۔

محمود غزنوی کے وقت ہی سے پنجاب اور سندھ کی سرزمین میں صرف عرب سے ہی نہیں' بلکہ بلادِ عجم سے بھی علماء و مشائخ آنے شروع ہو گئے تھے۔ سب سے قدیم اسلامی زیارت گاہ اُچہ میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونی (وفات 1007ء) کا مزار ہے۔ دوسری زیارت گاہ ملتان میں شاہ محمد یوسف گردیزی (وفات 1152ء) ہے۔ سندھ اور ملتان کے بعد موجودہ پاکستان میں ہدایت کا سرچشمہ لاہور میں پھوٹا۔ لاہور میں شیخ اسماعیل لاہوری' حضرت سالار مسعود غازی' حضرت داتا گنج بخش' امام حسن صنعانی لاہوری' سلطان سخی سرور' شیخ عزیز الدین مکی لاہوری' حضرت سید مٹھا لاہوری' اور لاہور سے باہر دوسرے شہروں میں خواجہ معین الدین چشتی' خواجہ قطب الدین بختیار کاکی' بابا فرید الدین گنج شکر' خواجہ نظام الدین اولیاء' شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت وغیرہم نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا حق ادا کیا۔ اُن کے روحانی فیوض و برکات سے لاکھوں غیر مسلم جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (جاری ہے)